الحجاز کراچی
امہات المومنین
مع
بنات اربعہ
قدم بہ قدم
عبداللہ فارانی

امہات المومنین قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

الحجاز

فہرست

عرض ناشر

بحمد للہ کتاب ''امہات المومنین قدم بہ قدم'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ عبداللہ فارانی نے ایسے قدم بڑھائے کہ ماشاءاللہ بڑھتے ہی چلے جارہے ہیں۔ ''عمر ثانی قدم بہ قدم'' کے بعد الحجاز پبلشرز کے لیے ان کی یہ دوسری کتاب ہے جو ایک منفرد موضوع پر مشتمل ہے جس میں ازواج مطہرات کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملات اور علم و ہنر اور دین کی پاسداری اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم و بندگی خدا کی تعلیمات کا نقشہ آسان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔ جس پر عمل کر کے ازدواجی زندگی کی اسلامی راہیں متعین کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی اور اپنی اپنی کوتاہیاں عیاں ہوتی جاتی ہیں۔

امہات المومنین کے ساتھ آخر میں ''بنات اربعہ'' کے تذکرہ نے اس کتاب کو مزید بابرکت بنادیا ہے۔ امید ہے قارئین اور خاص طور پر قاریات اس نیت سے بھی پڑھیں کہ ان شاءاللہ ہم خود بھی اپنی زندگیوں کو سنت کے سانچے میں ڈھالیں گے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس جانب راغب کریں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور روز قیامت اسے مؤلف، معاونین اور تمام پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والوں کے لیے نجات اور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا باعث بنائے۔ آمین ثم آمین۔

ڈائریکٹر الحجاز پبلشرز

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

ایک روز ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے کہا:

"بھتیجے! میں ایک غریب آدمی ہوں۔ میرے حالات بہت سخت ہیں۔ بہت تنگی میں دن گزر رہے ہیں۔ یہاں ایک مالدار خاتون ہیں۔ وہ اپنا تجارت کا سامان شام وغیرہ کی طرف بھیجتی ہیں۔ یہ کام وہ تمہاری قوم کے یعنی قریش کے آدمیوں سے لیتی ہیں۔ اس طرح وہ لوگ اس کے مال سے تجارت کرتے ہیں۔ خود بھی نفع حاصل کرتے ہیں اور اس خاتون کو بھی نفع حاصل ہو جاتا ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ان کے پاس جاؤ۔ اس بات کا امکان ہے کہ وہ تمہیں اپنا مال تجارت دے دیں۔ وہ تمہیں جانتی ہیں۔ تمہاری صداقت اور پاکیزگی کے بارے میں انھیں علم ہے۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے مشورے پر عمل کیا۔ اس خاتون کی طرف چل پڑے۔ ابو طالب نے اپنی باندی بھی ان کے پیچھے بھیج دی۔ وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھے کہ وہاں کیا ہوتا ہے۔ وہ خاتون آپ سے کیسے پیش آتی ہیں۔

یہ خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ آپ سے خندہ پیشانی سے ملیں۔ آپ کو عزت سے بٹھایا۔ دراصل آپ کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھیں۔ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے بارے میں جو باتیں وہاں کے معاشرے میں پھیل چکی تھیں وہ بھی ان تک پہنچ چکی تھیں۔ اس لیے اس ملاقات سے پہلے ہی آپ سے بہت متاثر ہو چکی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آمد کا مقصد بیان فرمایا۔ اس پر حضرت خدیجہ نے فرمایا:

''میں آپ کی سچائی، امانت داری اور حسن اخلاق سے واقف ہوں۔ میں آپ کو دوسروں کی نسبت دوگنا مال دوں گی۔''

یہ سن کر آپ نے اطمینان محسوس کیا، ان کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے ابو طالب کے پاس آئے۔ انھیں بتایا:

''انھوں نے اپنا مال تجارت مجھے دینے پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔''

ابو طالب یہ سن کر خوش ہوئے اور بولے:

''یہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔''

بعض روایات میں ہے کہ ابو طالب کی بہن عاتکہ بنت عبدالمطلب یعنی آپ کی پھوپھی نے بھی اس سلسلے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کے بارے میں جب انھوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ اس پیشے کا ارادہ رکھتے ہیں۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دیکھ چکی تھیں۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ عادات سے لاعلم نہیں تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کا تعلق خاندانِ قریش ہی سے تھا۔ آپ کے والد کا نام خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ تھا۔ یہ عبد مناف کے بھائی تھے اور عبد مناف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

تمیمی سے ہوئی۔

عتیق بن عابد سے آپ کے ہاں ایک بچہ عبداللہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد عتیق بن عابد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی بیوگی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ابو ہالہ بن بناش نے نکاح کا پیغام دیا۔ اس طرح آپ کی دوسری شادی ابو ہالہ سے ہوئی۔ ابو ہالہ سے آپ کے ہاں دو بیٹے ہند اور حارث اور ایک لڑکی زینب پیدا ہوئی۔

پھر فجار کی لڑائی میں آپ کے والد وفات پا گئے۔ ان کے بعد آپ کے دوسرے شوہر نے وفات پائی۔ باپ اور شوہر کی وفات کی وجہ سے آپ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بچوں کی دیکھ بھال اب انھی کے ذمے تھی۔ قریش کے کئی نوجوانوں نے آپ کو شادی کا پیغام بھیجا، لیکن آپ نے بچوں کی وجہ سے انکار کر دیا۔ آپ نے سوچ لیا تھا کہ بچوں کی تربیت کریں گی اور شادی نہیں کریں گی۔

آپ کے خاندان کا پیشہ چونکہ تجارت تھا، اس لیے آپ نے بھی یہی پیشہ اختیار کیا۔ لیکن چونکہ عورت تھیں، اس لیے اپنا مال دوسرے لوگوں کو دے دیتی تھیں۔ وہ دوسرے ملکوں میں مال لے جاتے، اس طرح نفعے میں سے انھیں اپنا حصہ مل جاتا تھا۔

بہت جلد آپ مکہ کی مشہور تاجر بن گئیں۔ ایک خاص بات یہ کہ دوسروں کی طرح آپ بتوں کو نہیں پوجتی تھیں۔ بعض قریشی لوگوں نے ان سے کہا بھی کہ آپ گھر میں ایک بت رکھ لیں۔ یہ سن کر آپ ہمیشہ مسکرا دیا کرتیں۔ آپ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان بتوں کی کیا حیثیت ہے۔ انھیں علم تھا کہ یہ پتھر کے بت نہ تو کسی کو کوئی نفع پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں نہ نقصان پہنچانے کی۔

انھوں نے کئی مرتبہ اپنے بھتیجے حکیم بن حزام کو بھی بتوں کے قریب جانے سے روکا۔ وہ ان سے فرمایا کرتی تھیں

"اپنے مال کو غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کیا کرو، اس سے اللہ خوش ہوتا ہے۔"

آپ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے آسمانی کتابیں تورات اور انجیل سنا کرتی تھیں۔ ان کتابوں کا سننا آپ کو بہت اچھا لگتا تھا۔ ورقہ بن نوفل انھیں بتایا کرتے تھے کہ اللہ کے ایک رسول آنے والے ہیں اور انھی میں آنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں لوگوں کو ہدایت کے لیے بھیجیں گے۔ ان کی قوم ان کی مخالفت پر ڈٹ جائے گی، لیکن آخر انھیں غلبہ حاصل ہوگا۔

حضرت خدیجہ یہ باتیں سنتیں تو خواہش کرتیں، کاش وہ اللہ کے رسول کا دیدار کر سکیں۔ ان کے دل میں یہ خواہش بھی سر ابھارتی تھی کہ انھیں اس رسول عربی کی پیروی نصیب ہو جائے اور یہ ان کی ہر ممکن مدد کریں۔

آخر تجارتی قافلے کی روانگی کے دن آ گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا نے اپنا تجارتی مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا۔ ساتھ ہی آپ نے اپنے غلام میسرہ کو آپ کے ساتھ روانہ کیا اور انھیں ہدایت دی۔

"خبردار! ان کی نافرمانی نہ کرنا اور نہ ان کی کسی رائے سے اختلاف کرنا۔"

اس سے معلوم ہوا، آپ نے میسرہ کو آپ کی نگرانی کرنے کے لیے نہیں بھیجا تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر طرح خیال رکھنے اور خدمت گزاری کے لیے بھیجا تھا۔

وہ تجارتی قافلہ 16 ذی الحجہ کو روانہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا آپ کو الوداع کہنے کے لیے آئے۔

اور پھر وہ قافلہ روانہ ہوا جس میں وہ ہستی تھی جو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے افضل اور اعلیٰ تھی۔ اللہ تعالیٰ اس ہستی کی نگہبانی فرما رہے تھے۔ اس قافلے کی ایک خاص بات یہ تھی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے مال بردار اونٹوں کی تعداد باقی تمام لوگوں کے اونٹوں کی

مجموعی تعداد سے زیادہ تھی۔

آخر یہ قافلہ شام کے شہر بصریٰ میں پہنچ گیا۔ قافلے نے ایک گرجے کے قریب پڑاؤ ڈالا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچپن میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ بھی ایک تجارتی سفر کیا تھا۔ اس سفر میں بھی آپ اسی گرجے کے قریب اترے تھے۔ اس وقت یہاں آپ کی ملاقات ایک پادری سے ہوئی تھی۔ اس راہب کا نام بحیرا تھا۔ لیکن اب جب آپ یہاں اترے تھے تو اس گرجے کا پادری نسطورا تھا۔ دونوں سفروں کی درمیانی مدت 13 سال تھی۔ پہلے سفر میں آپ کی عمر بارہ سال تھی اور اب آپ 25 سال کے ہو چکے تھے۔

نسطورا کی نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو وہ تیزی سے آپ کی طرف بڑھا۔ قافلے کے لوگوں نے اسے تیزی سے آپ کی طرف بڑھتے دیکھا تو انہیں خیال ہوا کہ یہ کسی بری نیت سے آ رہا ہے، لہٰذا ان میں سے ایک نے فوراً تلوار سونت لی اور چلا اٹھا:

’’اے قریش! اے قریش!‘‘

پھر تو چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ یہ دیکھ کر وہ ڈر گیا اور دوڑ کر گرجے میں داخل ہو گیا۔ گرجے کا دروازہ بند کر کے اس نے کھڑکی میں سے پکارا:

’’اے لوگو! تم کس بات سے ڈر گئے۔ یہ دیکھو! میرے پاس ایک تحریر ہے۔ قسم اس ذات کی جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے اٹھا دیا، اس تحریر میں لکھا ہوا پاتا ہوں کہ اس درخت کے نیچے اترنے والا شخص رب العالمین کا پیغمبر، اللہ کا رسول ہو گا، جسے اللہ تعالیٰ تلوار اور زبردست مدد کے ساتھ ظاہر فرمائیں گے۔ یہ خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ اب جو شخص ان کی اطاعت اور ان کی مدد کرے گا، وہ نجات پائے گا اور جو ان کی نافرمانی کرے گا، وہ ذلیل و خوار ہو گا۔‘‘

دوسری روایات میں یہ واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ وہ راہب آیا اور قافلے کے لوگوں سے بولا:

"یہ کون صاحب ہیں جو اس درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں؟"

جواب میں میسرہ نے کہا:

"یہ مکہ کے ایک قریشی جوان ہیں۔"

اب راہب نے آپ کو اور قریب جا کر دیکھا، پھر آپ کے سر اور قدموں کو بوسہ دینے کے بعد بولا:

"میں آپ پر ایمان لے آیا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تورات میں کیا ہے۔"

پھر اس نے مہر نبوت کو دیکھا اور چوما، پھر بولا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، نبی امی ہیں، جن کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔" (سیرت حلبیہ)

آپ اس وقت جس درخت کے نیچے آرام فرما تھے، اس کے بارے میں نسطورا نے یہ کہا:

"اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں اترا۔"

غرض اس واقعے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قافلے والوں کے ساتھ بازار بصریٰ تشریف لے گئے۔ سامان تجارت فروخت کیا، کچھ مال خریدا۔ ایسے میں ایک شخص آپ سے جھگڑ پڑا، اس نے کہا:

"لات و عزیٰ کی قسم کھاؤ۔"

اس کی بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میں نے ان تینوں کے نام پر کبھی حلف نہیں اٹھایا۔"

وہ شخص بھی غالباً کوئی عالم تھا۔ اس نے آپ کی طرف غور سے دیکھا اور پہچان کر بولا:

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

اس کے بعد یہ شخص میسرہ سے ملا، اسے قدرے فاصلے پر لے گیا اور کہنے لگا:

"قسم ہے اس ذات کی، یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہمارے راہب اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔"

میسرہ نے اس کی بات غور سے سنی اور اسے اپنے دماغ میں محفوظ کر لیا۔ بصریٰ پہنچنے سے پہلے ایک واقعہ اور پیش آیا تھا۔ قافلے کے دو اونٹ بہت زیادہ تھک گئے تھے اور چلنے کے قابل نہیں رہ گئے تھے۔ ان اونٹوں کی وجہ سے میسرہ بھی قافلے سے پیچھے رہ گیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قافلے کے اگلے حصے میں تھے۔ میسرہ نے اونٹوں کے بارے میں پریشانی محسوس کی۔ ساتھ ہی اسے یہ فکر ہوئی کہ وہ خود بھی قافلے سے پیچھے رہ گیا ہے، چنانچہ وہ دوڑتا ہوا قافلے تک پہنچا اور اگلے حصے میں موجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اپنی پریشانی کے بارے میں آپ کو بتایا۔ آپ اس کے ساتھ ان دونوں اونٹوں کے پاس تشریف لائے۔ ان کی کمروں پر اپنا ہاتھ پھیرا، کچھ پڑھ کر ان پر دم کیا۔ اس کا فوری طور پر اثر ہوا۔ اونٹ فوراً کھڑے ہو گئے اور پھر اس قدر تیز چلے کہ قافلے کے اگلے حصے میں پہنچ گئے اور اپنی چستی اور تیز چلنے کا اظہار منہ سے آوازیں نکال کر کرنے لگے۔

پھر تجارت کا کام شروع ہوا۔ قافلے کا مال فروخت کیا گیا اور کچھ مال خریدا بھی گیا۔ اس خرید و فروخت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا منافع کمایا کہ پہلے کبھی اتنا نفع نہیں کما سکے تھے، چنانچہ میسرہ نے آپ سے کہا

"اے محمد! ہم برسوں سے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے تجارت کر رہے ہیں، لیکن

اتنا زبردست نفع ہمیں کبھی حاصل نہیں ہوا۔"

آخر تجارت سے فارغ ہو کر قافلہ واپس روانہ ہوا۔ راستے میں میسرہ نے ایک بات یہ نوٹ کی کہ جب دوپہر کا وقت ہوتا تھا اور گرمی زوروں پر ہوتی تھی اور آنحضرت اپنے اونٹ پر سوار ہوتے تھے تو آپ پر ایک بدلی سایہ کیے رہتی تھی۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے میسرہ کے دل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت محبت پیدا کر دی۔ اس سفر میں اس نے قدم قدم پر آپ کی نیکی، شرافت، سچائی اور دیانت داری کا نظارہ کیا اور پھر تو یوں محسوس ہونے لگا جیسے میسرہ خود آپ کا غلام ہو۔

آخر قافلہ مرظہران کے مقام پر پہنچا۔ یہ مکہ اور عسفان کے درمیان ایک وادی ہے۔ اب اس وادی کا نام وادیٔ فاطمہ ہے۔ یہاں پہنچ کر میسرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ آپ خدیجہ رضی اللہ عنھا کے پاس ہم سے پہلے پہنچ جائیں اور انھیں تمام حالات بتائیں کہ اس مرتبہ تجارت میں کس قدر زیادہ نفع ہوا ہے، ممکن ہے وہ یہ بات سن کر آپ کے معاوضے میں اضافہ کر دیں اور دو جوان اونٹنیوں کے بجائے آپ کو تین اونٹنیاں دیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میسرہ کے اس مشورے کو قبول کر لیا۔ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مرظہران سے آگے روانہ ہو گئے۔ آپ دوپہر کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔

اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا اپنے مکان کے اوپر والے حصے میں بیٹھی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا نے آپ کو دور سے دیکھ لیا۔ آپ اونٹ پر سوار تھے اور ایک بدلی آپ پر سایہ کیے ہوئے تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا نے خود تو یہ منظر دیکھا ہی، اپنے پاس بیٹھی دوسری عورتوں کو بھی

دکھایا۔ وہ سب بھی یہ منظر دیکھ کر بہت حیران ہوئیں۔

آخر آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے۔ انھیں تجارت میں منافعے وغیرہ کے بارے میں بتایا۔ یہ نفع اس نفعے سے دوگنا تھا جو پہلے آپ کو حاصل ہوا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس منافعے کا حال جان کر بہت خوش ہوئیں۔ پھر انھوں نے پوچھا:

''اور میسرہ کہاں ہے؟''

آپ نے بتایا:

''میں نے انھیں جنگل میں پیچھے چھوڑا ہے۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''اس کے پاس جائیے تاکہ وہ جلد از جلد یہاں پہنچ جائے۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو واپس اس لیے بھیجا کہ وہ دیکھنا چاہتی تھیں، تھوڑی دیر پہلے جو بدلی آپ پر سایہ کیے ہوئے تھی، کیا اب بھی وہ بدلی آپ پر سایہ کرتی ہے یا وہ صرف ایک اتفاق تھا۔ آپ واپس روانہ ہوئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چھت پر چڑھ گئیں اور آپ کو دیکھنے لگیں۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ بدلی اب بھی آپ پر سایہ کیے ہوئے تھی اور اسی شان سے چلے جا رہے تھے جس شان سے تشریف لائے تھے۔

کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم میسرہ کے ساتھ واپس تشریف لائے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میسرہ سے وہ کیفیت بیان کی جو آپ نے دیکھی تھی۔ میسرہ فوراً بول پڑا:

''میں یہ منظر اس وقت سے دیکھتا آ رہا ہوں جب ہم شام سے روانہ ہوئے تھے۔''

اس کے بعد میسرہ نے نسطورا راہب سے ملاقات کے بارے میں بتایا اور جس شخص سے خرید و فروخت کے وقت جھگڑا ہوا تھا، اس نے جو جملہ کہا تھا، وہ ساری بات بھی بتائی۔ دو اونٹ جو پیچھے رہ گئے تھے، ان کا واقعہ بھی سنایا۔ یہ تمام واقعات سننے کے بعد حضرت خدیجہ

رضی اللہ عنہا نے طے شدہ اجرت سے دوگنا اجرت آپ کو دی۔ جب کہ پہلی اجرت بھی دوسرے لوگوں کی نسبت دوگنی تھی۔

اس اجرت کے بارے میں علامہ حلبی نے لکھا ہے:

''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چار جوان اونٹنیاں اجرت کے طور پر طے کی تھیں۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جوان اونٹنیوں کی بات کی تھی۔''

پھر واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے کپڑا خرید کر لائے تھے۔ اس میں بھی بہت نفع حاصل ہوا۔

ان تمام واقعات نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حد درجے متاثر کر دیا۔ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت لگاؤ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے اپنی ایک عزیزہ نفیسہ بنت منیہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خفیہ طور پر بھیجا۔ اس نے آپ کے پاس آ کر کہا:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔''

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بھلا میرے پاس کیا ہے کہ شادی کر سکوں۔''

اس پر نفیسہ نے کہا:

''اور اگر آپ کو اس کی ضرورت ہی نہ پڑے، بلکہ آپ کو مال، دولت، عزت، حسن و جمال، عزت اور سب کچھ مل جائے تو کیا آپ قبول کر لیں گے۔''

نفیسہ کی بات کا مطلب یہ تھا کہ اگر ایسی کوئی خاتون جس میں شرافت، پاکبازی وغیرہ تمام خوبیاں موجود ہوں اور مال و دولت بھی جس کے پاس ہو اور وہ خود ہی آپ کو نکاح

کی دعوت دے تو کیا آپ مان جائیں گے۔''

آپ نے یہ سن کر پوچھا:

''اور وہ کون خاتون ہیں۔''

اس نے کہا:

''وہ خدیجہ بنت خویلد ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''ان تک میری رسائی کیسے ہوگی۔''

یہ کہنے سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں اور وہ بہت مال دار ہیں۔ اس پر نفیسہ نے کہا:

''اس کا ذمہ میں لیتی ہوں۔''

آپ نے رضامندی کا اظہار کر دی۔ اس طرح شادی کی تاریخ طے ہوگئی۔ مقررہ تاریخ پر قبیلے کے رئیس، مکہ معظمہ کے شرفاء اور امراء جمع ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد وکیل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کے چچا ابوطالب وکیل تھے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی انجام پائی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی شادی مبارک تھی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔

نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمے کی دعوت دی۔ آپ نے دو اونٹ ذبح فرمائے۔ اس روز ابوطالب بھی بہت خوش تھے۔ انھوں نے اس موقعے پر کہا:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مصیبتوں اور غموں کو ہم سے دور کر دیا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قریش کے بہت سے لوگ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو شادی کا پیغام دے چکے تھے لیکن آپ ہر مرتبہ انکار کرتی رہی تھی۔ اس لیے کہ اللہ تعالی نے آپ کا رشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھ دیا تھا۔

شادی کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ساری دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔ آپ کو اس کا مالک بنا دیا اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دن رات لگی رہنے لگیں۔

اب جوں جوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 40 سال کے قریب پہنچ رہی تھی، اعلان نبوت کا وقت قریب آ رہا تھا۔ آپ کا وقت زیادہ تر تنہائی میں بسر ہونے لگا تھا۔ پھر آپ غار حرا میں جانے لگے۔ تنہائی میں آپ کو ایک آواز سنائی دیتی۔

"اے محمد! اے محمد!"

اور کبھی ایک نور نظر آتا۔ یہ نور آپ کو جاگنے کی حالت میں نظر آتا۔ آپ خوف سا بھی محسوس کرتے اور فرماتے۔

"مجھے ڈر ہے کہ اس صورت حال کے پیش نظر کوئی بات نہ پیش آ جائے۔"

آپ کی اس بات کے جواب میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ سے فرماتیں:

"ہرگز نہیں! اے میرے چچا کے بیٹے! اللہ تعالی آپ کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کرے گا، کیونکہ خدا کی قسم! آپ امانت ادا کرنے والے ہیں، رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے ہیں اور ہمیشہ سچ کہنے والے ہیں۔"

ان دنوں آپ کو تنہائی بہت محبوب ہو گئی تھی۔ تنہائی کے لیے ہی آپ غار حرا میں چلے جاتے تھے۔ جب کھانے کی چیز ختم ہو جاتی تو آپ واپس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ جاتے۔ کھانے لیتے اور پھر غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ غار حرا سے واپس

آتے تو آپ خانہ کعبہ میں بھی تشریف لے جاتے، طواف کرتے، پھر گھر تشریف لے جاتے۔
آخر وہ وقت آگیا جب آپ کو نبوت اور رسالت ملنے والی تھی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
"میں سو رہا تھا۔ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام ایک ریشمی کپڑا لیے ہوئے آئے۔ اس میں ایک کتاب تھی، یعنی ایک تحریر تھی۔ انھوں نے مجھ سے کہا:
"اقراء" یعنی پڑھیے۔
میں نے کہا:
"میں نہیں پڑھ سکتا۔" یعنی میں ان پڑھ ہوں۔ پڑھ لکھ نہیں سکتا۔
اس پر انھوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر اس ریشمی کپڑے سمیت اس طرح بھینچا کہ وہ کپڑا میرے ناک اور منہ سے چھو رہا تھا۔ انھوں نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے خیال آیا کہ کہیں میری موت نہ واقع ہو جائے۔ اس کے بعد انھوں نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا:
"پڑھیے!" یعنی اس لکھے ہوئے کے بجائے ویسے ہی پڑھوں، یعنی جو میں کہوں، وہ کہیے۔
اس پر میں نے کہا:
"میں کیا پڑھوں اور کیا کہوں۔"
اب انھوں نے کہا:
"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ" (سورہ علق)
ترجمہ: اے پیغمبر! آپ پر جو قرآن (نازل ہوا کرے گا) اپنے اس رب کا نام لے کر پڑھا کیجیے (یعنی جب پڑھیے، بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجیے) جس نے مخلوقات

ساری بات سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اے میرے چچا کے بیٹے! آپ کو خوش خبری ہو، آپ یقین کیجیے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، مجھے امید ہے، آپ اس امت کے نبی ہیں۔''

اس کے بعد حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ وہ عیسائی عالم تھے۔ انھیں سارا واقعہ سنایا، ورقہ بن نوفل یہ سارا واقعہ سن کر پکار اٹھے:

''اگر تم سچ کہہ رہی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے پاس وہی ناموسِ اکبر یعنی جبرائیل علیہ السلام آئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تھے۔ اس لیے میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اس امت کے نبی ہیں۔''

ورقہ بن نوفل کو جبرائیل علیہ السلام کا نام سن کر اس لیے تعجب ہوا کہ مکہ اور عرب کے دوسرے شہروں میں لوگوں نے یہ نام سنا بھی نہیں تھا۔ غرض اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آ گئیں اور ورقہ بن نوفل نے جو کچھ کہا تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔

انھی دنوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے آئے۔ طواف کے دوران آپ کی ملاقات ورقہ بن نوفل سے ہوگئی۔ وہ بھی اس وقت طواف کر رہے تھے۔ انھوں نے خود آپ کے منہ سے وہ واقعہ سننے کی خواہش کی۔ آپ نے انھیں بتایا کہ کس طرح جبرائیل علیہ السلام ان کے پاس آئے۔

سارا واقعہ سن کر ورقہ بن نوفل نے اپنا منہ جھکایا اور آپ کے سر کے درمیان بوسہ دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر واپس آ گئے۔

پہلی وحی کے بارے میں یہ تفصیل بھی علماء نے لکھی ہے کہ آپ پر اس وقت

کے برابر کھڑے ہو کر وہ بھی نماز پڑھنے لگا۔ پھر اس خیمے میں سے ایک عورت نکلی۔ وہ بھی ان دونوں کے پیچھے نماز کی نیت باندھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے بعد اس نوجوان نے رکوع کیا تو وہ لڑکا اور عورت بھی رکوع میں چلے گئے۔ پھر نوجوان نے سجدہ کیا تو وہ لڑکا اور عورت بھی سجدے میں چلے گئے۔ عفیف کندی حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے حضرت عباس سے پوچھا:

''یہ کیا ہو رہا ہے۔''

انھوں نے بتایا:

''یہ میرے بھائی عبداللہ کے بیٹے محمد ہیں۔ یہ ان کا دین ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ لڑکا میرا بھتیجا علی ابن ابی طالب ہے اور یہ عورت محمد کی بیوی خدیجہ ہیں۔''

عفیف کندی کہتے ہیں:

''کاش اس وقت چوتھا مسلمان میں ہوتا۔''

یہ عفیف کندی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اس موقع پر شاید زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور آپ اس زمانے میں آپ کے ساتھ یہ بھی نماز پڑھا کرتے تھے۔ یا پھر حضرت زید اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے جس نے نماز پڑھی، وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا عورتوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے بعد جو خواتین سب سے پہلے مسلمان ہوئیں، ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام فضل رضی اللہ عنھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

صاحب زادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن ام جمیل رضی اللہ عنہا، ان کا نام فاطمہ بنت خطاب تھا۔ یہ بھی روایت ملتی ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا ام فضل سے بھی پہلے مسلمان ہوئی تھیں۔

مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ورقہ بن نوفل تھے۔ یہ بات اس بنیاد پر کہی گئی ہے کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں تو ورقہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کے ناموس پر ہیں یعنی جو پیغام وہ لے کر آئے تھے۔ وہی پیغام آپ بھی لائے ہیں اور یہ کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں۔

بہر حال تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے مسلمان ہوئی تھیں۔ ان سے پہلے نہ کوئی مرد مسلمان ہوا، نہ کوئی عورت۔ باقی رہ گئے ورقہ بن نوفل اور ان جیسے دوسرے چند افراد۔ یہ حضرات آسمانی کتب کو ان کے منسوخ ہونے سے پہلے اختیار کیے ہوئے تھے اور ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی تھی کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جن کا دنیا کو انتظار ہے اور ان کا یہ ایمان آخرت میں مفید ہے۔

مطلب یہ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری ملی تو سب سے پہلے آپ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اسلام کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف ان کی راہنمائی فرمائی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بغیر کسی جھجک کے اسلام قبول کر لیا اور سبقت لے گئیں۔ تمام پہل کرنے والوں میں پہل کر گئیں۔

اس جلسے میں ایک عالم لکھتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا اور اس چشمے پر لے گئے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پاؤں مبارک کی برکت سے غار حرا کے پاس نمودار ہو گیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چشمے پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو وضو کا طریقہ بتایا۔ یہ طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز پڑھنا سکھایا۔

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا:

''اے خدیجہ یہ جبرائیل ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں سلام دینے کے لیے آئے ہیں۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر سلام کا جواب دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لے آئیں تو اسی روز حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئے۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تربیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے تھی۔ وہ آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نماز پڑھتے دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حیران ہوئے اور بولے۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ اللہ کا دین ہے۔ میں تمہیں بھی اس کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی گواہی دو۔ وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں تمہیں لات اور عزیٰ (بتوں) کو چھوڑ دینے کی دعوت دیتا ہوں۔''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بولے:

''میں نے اس دین کے بارے میں کسی سے نہیں سنا۔ میں اپنے والد کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا، اگر اجازت ہو تو ان سے مشورہ کرلوں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر تمہارا ایمان لانے کا ارادہ نہ ہو تو کسی دوسرے کو اس بارے میں نہ بتانا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''جی اچھا۔''

پھر اسی رات اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دل کھول دیا۔ صبح ہوئی تو آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے سے بھی پہلے آپ پر ایمان لا چکے تھے، کیونکہ یمن میں ایک بوڑھے عالم سے ان کی جو بات چیت ہوئی تھی، اس سے وہ جان چکے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں... وہی رسول جن کا دنیا کو انتظار ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب یمن میں اس بوڑھے عالم کے پاس رکے تھے تو اس نے کہا تھا:

''میرا خیال ہے تم حرم کے رہنے والے ہو۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا تھا:

''ہاں! میں حرم کا رہنے والا ہوں۔''

اس پر اس نے کہا تھا:

''اور میرا خیال ہے تم قریشی ہو۔''

آپ نے جواب دیا تھا

''ہاں! میں قریشی ہوں۔''

پھر اس نے کہا تھا:

''میرا خیال ہے تم خاندان تیمی کے ہو۔''

آپ نے جواب دیا تھا:

''ہاں! میں خاندان تیمی سے ہوں۔''

پھر اس نے کہا تھا:

''اب آپ سے ایک سوال اور پوچھنا چاہتا ہوں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''اور وہ سوال کیا ہے؟''

اس نے کہا تھا:

''اپنا پیٹ کھول کر دکھا دو۔''

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''یہ میں اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک کہ تم اس کی وجہ نہیں بتا دو گے۔''

اس وقت اس نے کہا تھا:

''میں اپنے سچے اور مضبوط علم کی بنیاد پر خبر دیتا ہوں کہ حرم کے علاقے میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس کی مدد کرنے والا ایک نوجوان اور پختہ عمر کا آدمی ہوگا۔ وہ مشکلات میں کود جانے والا اور پریشانیوں کو روکنے والا ہوگا۔ اس کا رنگ سفید اور جسم کمزور ہوگا۔ اس کے پیٹ پر ایک بال دار نشان ہوگا اور اس کی بائیں ران پر بھی ایک علامت ہوگی۔''

یہ کہنے کے بعد اس نے کہا:

''اب یہ بھی ضروری نہیں کہ تم مجھے اپنا پیٹ کھول کر دکھاؤ، کیونکہ تم میں باقی تمام

ہوں۔ اس لیے تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔"

"میں نے عرض کیا:

"کیا آپ کے پاس اس کا ثبوت ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس بوڑھے عالم کے وہ شعر جو اس نے تمہیں سنائے تھے۔"

میں نے حیران ہو کر عرض کیا:

"میرے دوست! آپ کو ان اشعار کے بارے میں کیسے پتا چلا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے اس عظیم فرشتے کے ذریعے پتا چلا جو مجھ سے پہلے بھی تمام نبیوں کے پاس آتا رہا ہے۔"

اب میں نے عرض کیا:

"اپنا ہاتھ لائیے! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میرے اسلام قبول کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے تحاشہ خوشی ہوئی۔

سب لوگوں کے سامنے اپنے ایمان لانے کا اعلان سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نے کیا تھا۔

سب سے پہلے ایمان لانے والوں کی ترتیب اس طرح ہے۔

مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ایمان لائے۔ عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے ایمان لائیں اور غلاموں میں

سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے وہ اس وقت تک بالغ نہیں ہوئے تھے۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آس پاس کے لوگوں کو اسلام کی دعوت شروع کی۔ اس سلسلے میں جو مشکلات آئیں، ان کے سامنے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ڈٹ گئیں... اپنا تن من دھن سب قربان کرنے پر تل گئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو العاص غزوہ بدر میں گرفتار ہوئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مشرکوں سے نکاح نہ کرنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابو العاص سے ہو چکی تھی۔ دوسرے قیدیوں کی طرح ان سے بھی کہا گیا:

"آپ بھی فدیے کی رقم ادا کریں تاکہ آپ کو رہا کیا جا سکے۔"

انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ ان کی آزادی کے لیے فدیے کی رقم بھیج دیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ پیغام ملا تو آپ پریشان ہو گئیں... کیونکہ اس وقت آپ کے پاس کوئی رقم نہیں تھی۔ البتہ شادی کے موقعے پر انہیں جو جہیز ملا تھا، اس میں ایک ہار بھی تھا۔ انہوں نے وہی ہار بھیج دیا۔ وہ ہار دراصل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ جب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اس ہار کو پہچان لیا۔ آپ کو حضرت خدیجہ یاد آ گئیں۔ آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ کو روتے دیکھ کر صحابہ کرام بھی رونے لگے۔ انہوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ یہ ہار بھی واپس کر دیں، فدیے کی رقم ہم ادا کر دیتے ہیں۔"

اس واقعے سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کس قدر محبت تھی۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ایک مرتبہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ ہمارے ہاں آئیں، انہوں نے اجازت طلب کرنے کے لیے آواز دی۔ ان کی آواز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہت ملتی تھی۔ پھر کیا تھا، یہ آواز سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آگئیں۔ آپ حیرت اور مسرت کے عالم میں پکار اٹھے:

''یا اللہ! یہ تو ہالہ لگتی ہیں۔''

اس وقت میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''آپ قریش کی ایک بوڑھی عورت کو کیا ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں، انہیں تو فوت ہوئے بھی عرصہ ہو گیا۔ اللہ پاک نے آپ کو اس سے بہتر بیوی عطا فرما دی ہے۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلال میں آگئے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نادم ہو کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! مجھ سے غلطی ہو گئی، آئندہ میں ان کا ذکر اچھے الفاظ ہی میں کروں گی۔''

جب بالکل نزدیک کے لوگ آپ پر ایمان لا چکے تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا:

''اپنے قریبی لوگوں کو ڈرائیے۔''

یہ حکم نازل ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور پکار کر فرمایا:

''اے بنی عبدالمطلب! اے بنی فہر اور اے بنی کعب! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن جمع ہو گئے ہیں اور تم پر حملہ کرنے والے ہیں تو بتاؤ، کیا تم میری اطلاع کو درست سمجھو گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے جواب میں سب نے کہا:

اب ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی اور کہا:

"بھتیجے! اپنے دین کے اعتبار سے تم مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں اٹھا نہ سکوں۔"

ان کی بات کے جواب میں آپ نے فرمایا:

"چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں اور مجھ سے کہیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اس سے باز آ جاؤں تو بھی میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ چاہے میری جان کیوں نہ چلی جائے۔"

یہ سن کر ابو طالب نے کہا:

"بھتیجے! تم جو چاہو، کرو، میں آئندہ تمہیں نہیں ٹوکوں گا۔"

قریش نے بھی جان لیا کہ ابو طالب اس سلسلے میں کچھ بھی کرنے کو تیار نہیں ہیں تو وہ ایک بار پھر جمع ہوئے اور ابو طالب سے بولے:

"اے ابو طالب! آپ کے بھتیجے کا ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ اسے ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم اسے قتل کر دیں۔ اس ایک کے نہ ہونے سے آخر کیا فرق پڑ جائے گا۔"

یہ سن کر ابو طالب بولے:

"بڑے افسوس کی بات ہے۔ اگر میں تم میں سے کسی کے بیٹے کو صرف اپنی مخالفت کی بنیاد پر تم سے مانگوں، تا کہ اسے قتل کر سکوں تو کیا تم ایسا کر دو گے۔ نہیں کرو گے۔ تو میں کیوں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کروں۔ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔"

اس پر سب نے کہا:

"اے ابو طالب! تم اپنی قوم کے صرف ایک شخص کے لیے قوم میں تفرقہ ڈال رہے ہو۔ تم نے اپنی ساری قوم کو اپنے بھتیجے کی خاطر ذلیل کر کے رکھ دیا ہے۔"

یہ کہہ کر قریش لوٹ گئے۔ اب ابو جہل وغیرہ نے ایک جگہ جمع ہو کر سوچ بچار کی اور

آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت ترک نہیں کرتے اور انہیں ہمارے حوالے نہیں کرتے اس وقت تک ان لوگوں سے کوئی کاروبار نہ کیا جائے۔ نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی جائے، نہ ان سے خریدی جائے۔ نہ ان کے ہاں بیٹی بیٹے کا رشتہ کیا جائے۔ نہ ان کے ساتھ بیٹھا جائے، نہ کسی قسم کا میل جول رکھا جائے۔ کوئی شخص اگر کسی مسلمان کا مقروض ہے تو قرض ادا نہ کرے اور انہیں شعب ابی طالب میں رہنے پر مجبور کر دیا جائے۔ شعب ابی طالب ایک گھاٹی کا نام تھا۔ آج کے دور میں اس قسم کے معاہدے کو سوشل بائیکاٹ کہا جاتا ہے یعنی معاشرتی تعلقات ختم کر دینا۔ ان سب حضرات کو وہاں رہنے پر مجبور کر دیا گیا۔

یہ بائیکاٹ نبوت کے ساتویں سال یکم محرم کو شروع ہوا اور نبوت کے دسویں سال محرم میں ختم ہوا۔ ان تین سالوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے گھر والوں، غریب اور نادار مسلمانوں، ابو طالب، بنی ہاشم، بنی عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں نے مصیبتوں اور مشکلات کا بڑی جرأت سے مقابلہ کیا۔ قریش کے مظالم کے مقابلے میں کوئی کمزوری نہ دکھائی۔ سب کے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں ڈٹے رہے۔

حالت یہ تھی کہ یہ حضرات کسی سے کوئی چیز نہ خرید سکتے تھے، نہ مکہ کے بازاروں میں خرید و فروخت کر سکتے تھے۔ شعب ابو طالب دو پہاڑوں کی چوٹیوں میں سے ایک گھاٹی تھی۔ یہ حرم سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم کے اکثر حضرات اسی محلے میں رہتے تھے یا اس کے ارد گرد رہتے تھے۔ جب کفار نے بائیکاٹ کا معاہدہ کر کے حرم میں لٹکا دیا تو ابو طالب نے دوسرے محلوں میں رہنے والے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے گھرانوں کو بھی اسی گھاٹی میں آ جانے کے لیے کہا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی ان دنوں دوسرے [illegible] آپ اب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتی تھیں۔ انھوں نے بھی اپنا ضروری سامان لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس گھاٹی میں آگئیں۔ بعض دوسرے حامی قبیلے اور غریب مسلمان بھی یہیں آگئے۔ ان کا تعلق قریش کے خاندان سے نہیں تھا۔ ان سب حضرات کے ایک جگہ جمع ہو کر رہنے کا فیصلہ ابو طالب کا تھا۔ یہ فیصلہ اس لحاظ سے بہت اچھا تھا کہ مسلمان اپنے اپنے محلوں میں بکھرے رہتے تو ان کے لیے یہ تین سال گزارنا اور زیادہ مشکل ہوتا۔ سب نے مل جل کر ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹ کر یہ سال گزار لیے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ تین سال انتہائی مشکل سال تھے۔ باہر سے آ کر کوئی مدد نہیں کرتا تھا۔ البتہ آپس میں یہ سب ایک دوسرے کے غم گسار تھے۔

شعب ابی طالب میں رہنے والے نہ تجارت کر سکتے تھے، نہ مکہ معظمہ کے بازاروں میں خرید و فروخت کر سکتے تھے۔ باہر سے کوئی قافلہ آتا تو قریش اس کا سارا مال مہنگے داموں خرید لیتے تھے۔ ابولہب ان تاجروں سے کہتا:

”کوئی مسلمان یا بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کا کوئی شخص تم سے کچھ خریدنا چاہے تو قیمت اتنی زیادہ بتانا کہ خرید نہ سکیں۔ اگر تمہارا مال نہ بک سکا تو میں خود سارا مال خرید لوں گا۔“

سال میں چار مہینے رجب، ذیقعدہ، ذوالحج اور محرم حرمت کے مہینے تھے۔ ان چار مہینوں میں ان حضرات کو کچھ خرید و فروخت کا موقع ملتا تھا، لیکن آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو کچھ تھا، اس سے آپ دونوں غریب مسلمانوں کی مدد کرتے رہے اور اس طرح اس بائیکاٹ کے ختم ہوتے ان کی اپنی مالی حالت بہت کمزور ہوگئی۔ حضرت عمرؓ بھی مختلف طریقوں سے مسلمانوں کی مدد کرتے رہتے تھے، لیکن سینکڑوں لوگوں کی ضرورت پوری کرنا آسان کام نہیں تھا۔

جب ان لوگوں کی پونجی بالکل ختم ہوگئی تو گھریلو چیزیں بکنے لگیں۔ آخری دنوں میں

اس نے ابوجہل سے پوچھا:

"کیا ہے، تم اس سے کیوں جھگڑ رہے ہو؟"

جواب میں ابوجہل نے کہا:

"یہ بنو ہاشم کے لیے غلہ لے جا رہا ہے۔"

ابوالبختری نے فوراً کہا:

"یہ اس کی پھوپھی کا غلہ ہے۔ جو اس کے پاس رکھا تھا، اب اس نے منگوایا ہے تو تو اسے کیسے روک سکتا ہے۔ چلنے دو اسے۔"

"نہیں! میں نہیں جانے دوں گا۔" ابوجہل اس سے بھی جھگڑ پڑا۔

دونوں میں تیز لہجے میں بات ہونے لگی۔ ابوالبختری نے ابوجہل کے اونٹ کی گردن پکڑ کر جھکا دیا تو اونٹ بیٹھ گیا۔ اس نے ابوجہل کو ٹانگ سے پکڑ کر اونٹ سے نیچے کھینچ لیا۔ پھر لاتوں اور گھونسوں سے اس کی خوب مرمت کی۔ یہاں تک کہ قریب پڑی ایک ہڈی اٹھا کر اس کے سر پر دے ماری۔ اس کے سر سے خون بہنے لگا۔

ایسے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے۔ آپ انہیں لڑتے دیکھ کر رک گئے۔ انہیں رکتے دیکھ کر دونوں اپنی لڑائی سے باز آ گئے۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی آپس کی لڑائی کی خبر نہ پہنچے۔

تاریخ کی کتابوں میں مصیبت بھرے ان تین سالوں کی بہت تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ابن قیم کہتے ہیں:

"بنی ہاشم کے بچے بھوک کے ڈر سے اس قدر زور زور سے روتے تھے کہ ان کے رونے کی آوازیں گھاٹی کے باہر تک سنائی دیتی تھیں۔"

امام قسطلانی نے لکھا ہے:

گئے۔ قریش نے ان لوگوں کو دیکھا تو سمجھے کہ یہ لوگ سختیوں سے گھبرا کر نکل آئے ہیں
تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے حوالے کر دیں۔ ابو طالب نے ان سے کہا:

”ہمارے اور تمہارے درمیان معاملات بہت طول پکڑ گئے ہیں۔ اس لیے اب تم لوگ اپنا وہ حلف نامہ لاؤ، ممکن ہے ہمارے اور تمہارے درمیان صلح کی کوئی شکل نکل آئے۔“

ابو طالب نے اصل بات بتانے کے بجائے یہ بات اس لیے کہی کہ کہیں قریش حلف نامہ منگوانے سے پہلے اسے دیکھ نہ لیں، کیونکہ اس صورت میں وہ اسے لانے سے رک جاتے۔ غرض وہ حلف نامہ لے آئے۔ انہیں اس بات میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ یہ لوگ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ یہ تمام حلف نامے وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہوئے تھے۔

آخر وہ حلف نامہ لے آئے۔ ساتھ ہی کہنے لگے:

”آخر تم لوگ پیچھے ہٹ گئے نا۔“

اس پر ابو طالب نے کہا:

”میں تمہارے پاس ایک انصاف کی بات لے کر آیا ہوں۔ اس میں تمہاری کوئی بے عزتی ہے نہ ہماری اور وہ بات یہ ہے کہ میرے بھتیجے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ تمہارے اس حلف نامے پر جو تمہارے ہاتھ میں ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک کیڑا مسلط کر دیا ہے۔ اس کیڑے نے اس میں سے الفاظ چاٹ لیے ہیں۔ اگر بات اسی طرح ہے جیسے میرے بھتیجے نے بتایا ہے تو معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم اپنی غلط بات سے باز آجاؤ۔ اگر باز نہ آئے تو بھی خدا کی قسم جب تک ہم میں سے آخری آدمی بھی زندہ ہے، ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے اور اگر میرے بھتیجے کی بات غلط نکلی تو ہم انہیں تمہارے حوالے کر دیں گے۔ پھر تم چاہے انہیں قتل کرو، چاہے زندہ رکھو۔“

اس پر قریش نے کہا:

"ہمیں تمہاری بات منظور ہے۔"

اب انہوں نے عہد نامہ منگوا کر دیکھا۔ عہد نامے کو واقعی دیمک چاٹ چکی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ پکار اٹھے:

"یہ تمہارے بھتیجے کا جادو ہے۔"

اس واقعے کے بعد ان لوگوں کا ظلم اور بڑھ گیا۔ لیکن ان میں چند لوگ ایسے بھی تھے جو دیمک والے واقعے پر شرمندہ ہوئے۔ انہوں نے کہا:

"اب ہماری طرف سے یہ سختی اپنے بھائیوں پر ظلم ہے۔"

پھر یہ لوگ گھاٹی میں پہنچے اور ان حضرات سے یوں بولے:

"آپ سب لوگ چلے اپنے گھروں میں آجائیں۔"

چنانچہ سب لوگ اسی وقت گھاٹی سے نکل کر اپنے گھروں میں آگئے۔ اس طرح تین سال بعد یہ بائیکاٹ ختم ہوا۔

ابوطالب کی گھاٹی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی رہائی نبوت کے دسویں سال میں ہوئی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا کام پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی سے شروع کر دیا۔ ان حالات میں بائیکاٹ کو ختم ہوئے ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ آپ کے مہربان چچا ابوطالب اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی وفات پر آپ کو بہت صدمہ ہوا اور اس صدمے کو ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا کہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس دار فانی سے کوچ کیا۔ اوپر تلے کے دو صدمے آپ کے لیے بہت سخت تھے۔ آپ نے اس سال کو غم کا سال قرار دیا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی ہستی تھیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

قدر اور عظمت کو پہچانا اور اپنا تن، من اور دھن آپ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے بعد پچیس سال کی زندگی میں بے پناہ مشکلات آئیں۔ مگر ان تمام مشکلات میں آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری طرح ساتھ دیا۔ قریش کا قدم قدم پر آپ کو تکالیف پہنچاتے تھے اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو آرام اور سکون پہنچاتی تھیں۔ آپ نے اپنی ہر خوشی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر دی۔ آپ کی موجودگی میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کی کوئی فکر نہیں ہوتی تھی۔ سب کام آپ نے سنبھالے ہوئے تھے۔

سب سے پہلے ایمان بھی آپ ہی لائیں۔ آپ نے نبی کریم کا بے مثال ساتھ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا:

"خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو مجھ سے وفاداری کی، اس کے سبب مجھے ان کی یاد بہت مرغوب ہے۔ جب لوگوں نے میری نبوت کا انکار کیا تو وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جب لوگ میری مدد کرنے سے ڈرتے تھے تو وہ چٹان کی مانند مضبوطی سے میرے ساتھ کھڑی رہیں۔ وہ بہترین ساتھی تھیں اور میرے بچوں کی ماں۔"

سیدہ خدیجہؓ کے بطن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں چھ بچے پیدا ہوئے، دو صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں۔ صاحب زادے بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو اس وقت تک آپ کی دو بچیوں کی شادی ہو چکی تھی۔ دو بچیاں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر میں تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت آٹھ نو سال کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہی پرورش پائی تھی۔ وہ بھی ابھی چھوٹے تھے۔

بخاری شریف میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شان میں یہ حدیث موجود ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یوں عرض کرنے لگے۔

''اے اللہ کے رسول! خدیجہ ایک برتن لے کر ابھی آنے والی ہیں۔ اس برتن میں سالن ہے۔ جب وہ آئیں تو انھیں ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہہ دیجیے گا اور انھیں یہ خوش خبری سنائیے گا کہ اللہ تعالیٰ نے موتیوں سے بنا ہوا ایک محل جنت میں انھیں عطا فرمایا ہے۔ اس میں نہ کسی قسم کا شور ہوگا، نہ پریشانی۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسری شادی کا کبھی خیال تک نہیں فرمایا۔ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ ان کا ذکر بہت محبت سے فرماتے تھے۔ آپ کی سہیلیوں سے بھی بہت شفقت کا برتاؤ کرتے۔ ہر موقعے پر ان کا خیال رکھتے تھے۔ اکثر ان کی تعریف فرماتے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو رشک آنے لگتا۔ آپ کوئی بکری ذبح فرماتے تو اس کا گوشت حضرت سیدہ کی سہیلیوں کو بھی بھجواتے۔

آپ کی وفات کی خبر سن کر مکہ معظمہ کے لوگ رنج اور غم کے سمندر میں ڈوب گئے۔ ہر شخص کی زبان پر انھی کا ذکر تھا۔ انھوں نے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔ کبھی زبان سے ایسا لفظ نہیں نکالا جو کسی کی دل شکنی کا سبب بنتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف کو دیکھ کر وہ کبھی مایوس نہ ہوتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی کرتیں اور تبلیغ کے کام میں ہر ممکن مدد کرتیں۔ دوسرے لوگوں کو تکالیف پہنچائی جاتیں تو آپ انھیں بھی حوصلہ دلاتیں۔ انھیں یقین دلاتیں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ مکہ میں کسی کی زبان پر بھی ان کی برائی نہیں تھی۔ ہر شخص ان کی تعریف کرتا تھا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حجون کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ دفن کے وقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر میں اترے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر 63 سال تھی۔
اس وقت تک نماز جنازہ کا حکم نہیں آیا تھا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے بعد پچیس سال
تک زندہ رہیں، یعنی اتنی طویل مدت تک آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔
جب آپ بیمار تھیں تو ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:
''جو کچھ میں نے تمہارے لیے دیکھا ہے، کیا تم اس سے خوش نہیں، اللہ تعالیٰ
ناپسندیدگی میں ہی خیر فرمانے والا ہے۔ یعنی ہماری جدائی کے اس غم میں بھی خیر ہے۔ تمہیں
معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ اس نے جنت میں تمہارے ساتھ ساتھ مریم بنت
عمران یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ، موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثوم اور فرعون کی بیوی آسیہ
سے میری شادی کی ہے۔'' (یعنی یہ جنت میں تمہاری ساتھی ہوں گی)

یہ سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:
''اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کی خبر دی ہے۔''
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''ہاں!''
اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔
''اللہ تعالیٰ محبت و برکت عطا فرمائے۔''
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے یہ بھی فرمایا:
''جنت تمہارے دیدار کی مشتاق ہے۔ تمام امہات المومنین سے تم بہتر ہو۔ تم تمام جہان
کی عورتوں سے افضل ہو۔ تم مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ سے زیادہ بزرگ ہو۔''
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد سوائے ابراہیم علیہ السلام کے سیدہ خدیجہ

رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سب سے پہلے قاسم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ پھر زینب رضی اللہ عنہا، پھر رقیہ رضی اللہ عنہا، پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ یہ تمام نبوت سے پہلے پیدا ہوئے۔ ان کے بعد عبداللہ پیدا ہوئے۔ طیب اور طاہر انہی کے لقب تھے۔ بہر حال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بیٹے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ بیٹیاں جوان ہوئیں۔ ان کی شادیاں ہوئیں اور ان سے اولاد ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد کا سلسلہ نسب حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر ختم ہوتا ہے۔

آپ اپنی زندگی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے دعا کرتے رہے۔ ان کی موجودگی میں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔ آپ نے انہیں تمام عورتوں سے افضل قرار دیا (بعض روایات کی رو سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو افضل قرار دیا) جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا سلام آپ کے ذریعے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پہنچایا۔ سیدہ نے اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ کر دیا۔ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی تکالیف دہ حالات میں ساتھ دیا۔

اللہ تعالیٰ ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

"اے اللہ کے رسول! آپ دوسرا نکاح فرمائیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"کس سے نکاح کروں؟"

حضرت خولہ نے عرض کیا:

"بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں ہیں جس سے آپ پسند فرمائیں اس کے بارے میں بات کی جا سکتی ہے۔"

اس پر آپ نے فرمایا:

"دونوں کون ہیں؟"

حضرت خولہ نے عرض کیا:

"بیوہ تو سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ہیں اور کنواری ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ ہیں۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"ٹھیک ہے تم ان کے بارے میں بات کرو۔"

حضرت خولہ آپ کی مرضی پا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر آئیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ بات رکھی۔

جاہلیت کے دور میں دستور یہ تھا کہ جس طرح سگے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز نہیں اسی طرح عرب اپنے منہ بولے بھائیوں کی اولاد سے بھی شادی نہیں کرتے تھے۔

اس بنیاد پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

"خولہ! عائشہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے، آپ سے اس کا نکاح کیسے ہو سکتا ہے؟"

حضرت خولہ یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور یہ بات آپ کو بتائی۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"ابوبکر میرے دینی بھائی ہیں اور اس قسم کے بھائیوں سے نکاح جائز ہے۔"

حضرت خولہ نے یہ بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتائی تو آپ نے فوراً منظور کر لی۔ اب ایک اور مسئلہ بھی تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بات حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے طے ہو چکی تھی۔ اس لیے ان سے بھی پوچھنا ضروری تھا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت جبیر بن مطعم کے پاس گئے اور ان سے فرمایا:

"تم نے عائشہ کی نسبت اپنے بیٹے سے طے کی تھی۔ اس سلسلے میں تم کیا کہتے ہو؟"

اس وقت تک حضرت جبیر بن مطعم کا خاندان مسلمان نہیں ہوا تھا، اس لیے ان کی بیوی نے کہا:

"اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آ گئی تو ہمارا بیٹا بے دین ہو جائے گا، لہٰذا اب ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں۔" اس طرح یہ نسبت خود ان کی طرف سے ختم ہو گئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر کوئی چیز آپ کو پیش کر رہا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا:

"یہ کیا ہے؟"

اس نے کہا:

"آپ کی بیوی ہیں۔"

آپ نے ریشم کا کپڑا اٹھا کر دیکھا تو (تصویر میں) عائشہ صدیقہ تھیں۔ (بخاری)

گویا یہ رشتہ اللہ تعالیٰ طے فرما چکے تھے۔ نکاح بہت سادگی سے ہوا۔ آپ اپنی سہیلیوں

ہوئی۔ وہ بھی ہجرت کے لیے تیار تھے۔ چنانچہ یہ حضرات ان دونوں گھرانوں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان حضرات میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا اسامہ، ان کی بیوی ام ایمن، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، آپ کی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت سودہ (حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعد ہوا تھا، لیکن رخصتی پہلے ہوگئی تھی جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہجرت کے بعد ہوئی) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی ام رومان شامل تھے۔

اس سفر میں حضرت عائشہ اور ان کی والدہ اونٹ کے ایک کجاوے میں سوار تھیں۔ راستے میں ایک موقعے پر ان کا اونٹ بدک گیا۔ اس پر ام رومان گھبرا گئیں اور پکار اٹھیں:

''ہائے میری بچی۔''

اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچی۔ غیب سے آواز آئی:

''اونٹ کی نکیل چھوڑ دو۔''

رسی اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں تھی۔ آپ فرماتی ہیں، میں نے نکیل چھوڑ دی۔ ایسا کرتے ہی اونٹ آرام سے ٹھہر گیا۔ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

آخر یہ قافلہ مدینہ پہنچ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے آس پاس اپنے اہل و عیال کے لیے حجرے بنوا رہے تھے۔ حضرت سودہ، حضرت فاطمہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن کو انہی حجروں میں ٹھہرایا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے ماں باپ کے ہاں چلی گئیں۔

اس کے چند ماہ بعد شوال میں آپ کی رخصتی ہوئی۔ عرب کے لوگ شوال میں شادی

کرنے کو برا سمجھتے تھے۔ بعد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال میں نکاح کیا اور شوال ہی میں میری رخصتی ہوئی تو اب اس کے خلاف مسلمانوں کو کرنے کا کیا حق ہے۔''

مطلب یہ کہ شوال میں شادی بیاہ کرنا بالکل درست ہے۔ اسی طرح آج کل محرم کے مہینے میں شادیاں نہیں کی جاتیں، یہ بھی غلط ہے۔

رخصتی سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور عرض کیا تھا:

''اے اللہ کے رسول! آپ اپنی بیوی کو گھر کیوں نہیں لاتے۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کے لیے رقم نہیں ہے؟''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''آپ مجھ سے قرض لے لیں۔''

آپ نے ان کی یہ بات منظور فرمالی۔ ان سے قرض لے کر مہر ادا کیا۔ مہر 500 درہم تھا۔ رخصتی کی کیفیت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یوں بیان کرتی ہیں:

''میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی کہ والدہ نے آ کر مجھے آواز دی۔ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ کیوں بلا رہی ہیں۔ میں ان کے پاس پہنچی تو میرا ہاتھ پکڑ کر لے چلیں، میرا سر اور ہاتھ منہ دھویا۔ گھر کے اندر انصاری عورتیں بیٹھی تھیں۔ انھوں نے میرا بناؤ سنگھار کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، یہ چاشت کا وقت تھا۔

وہ چاشت کا وقت تھا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تواضع کے لیے دودھ کے ایک پیالے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے

تھوڑا سا دودھ نوش فرمایا، پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیا۔

چند دوسری عورتوں کے ساتھ اس وقت وہاں اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں:

’’انھیں شرم محسوس ہوئی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کو دودھ دیا تو آپ شرمانے لگیں۔ اس پر میں نے کہا:

’’حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ واپس نہ کرنا۔‘‘

چنانچہ سیدہ نے دودھ لے لیا اور پیا۔ پھر آپ نے فرمایا:

’’اپنی سہیلیوں کو بھی دو۔‘‘

میں نے عرض کیا:

’’اے اللہ کے رسول! ہمیں بھوک نہیں ہے۔‘‘

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو۔‘‘ (مسند احمد 438/6)

مطلب یہ تھا کہ اگر بھوک ہو تو یوں نہ کہو کہ ہمیں بھوک نہیں، یہ جھوٹ ہو جائے گا۔

غرض اس قدر سادگی سے رخصتی ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں:

’’اللہ کی قسم! میری رخصتی میں نہ کوئی اونٹ ذبح کیا گیا، نہ کوئی بکری۔ ہاں کھانے کا ایک پیالہ تھا، وہ بھی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔‘‘ (مسند احمد 210/6)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چونکہ کم عمری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آ گئی تھیں، اس لیے آپ کی تربیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں ہوئی۔ اس زمانے میں آپ نے تعلیم بھی حاصل کی۔ آپ کا گھر چونکہ مسجد کے ساتھ ہی تھا، اس لیے آپ نبی صلی اللہ

"اے اللہ! مجھ سے آسان حساب لینا۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا "اے اللہ کے رسول! آسان حساب کی کیا صورت ہوگی؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اعمال نامہ دیکھ کر درگزر کر دیا جائے گا" (یعنی یہ ہے آسان حساب) اور پھر فرمایا

"یقین جانو جس کے حساب میں چھان بین کی گئی اے عائشہ وہ ہلاک ہو گیا، کیونکہ جس کے حساب کتاب کی چھان بین ہوگی، وہ حساب دے کر کامیاب نہیں ہو سکے گا۔"

ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے عائشہ! قیامت کے دن لوگ ننگے پاؤں اور ننگے بدن بغیر ختنہ کے اٹھائے جائیں گے۔" (یعنی جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں)

یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو بڑے شرم کا مقام ہوگا، کیا مرد و عورت سب ننگے ہوں گے، ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔"

سیدہ کے جواب میں آپ نے فرمایا۔

"اے عائشہ قیامت کی سختی اس قدر ہوگی اور لوگ اس قدر گھبراہٹ اور پریشانی سے بے حال ہوں گے کہ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہیں ہوگا، مصیبت اتنی ہوگی کہ کسی کو اس کا خیال تک نہیں آئے گا۔"

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی

"اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں مجھے اس دنیا سے اٹھا اور قیامت میں میرا حشر مسکینوں میں کرنا۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

"آپ نے ایسی دعائیں کیوں کیں؟"

جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

"اس لیے کہ بلاشبہ مسکین لوگ مال داروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔" اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"اگر مسکین سائل کی حیثیت میں آئے تو اسے کچھ دیے بغیر واپس نہ لوٹاؤ اور کچھ نہیں تو کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے دو۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں دیتے ہیں اور ان کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں تو ان خوف زدہ لوگوں سے کون لوگ مراد ہیں، کیا وہ لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوریاں کرتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"اے صدیق کی بیٹی نہیں، اللہ کے اس فرمان سے ایسے مراد نہیں، بلکہ اس آیت میں اللہ نے ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو روزہ رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں اور اس کے باوجود اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو، ان کے اعمال قبول ہی نہ کیے جائیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"یہ لوگ نیک کاموں میں تیزی سے بڑھتے ہیں۔"

ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص اللہ کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو محبوب رکھتے

ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں۔"

یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا

"یہ تو آپ نے بہت گھبرا دینے والی بات بتا دی، موت تو سب کو ہی ناگوار ہوتی ہے، حدیث کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا، لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی ہم میں سے کسی کی ملاقات کو پسند نہیں کرتے۔"

اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اس کا یہ مطلب نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات کی خوشخبری دی جاتی ہے، لہٰذا اس کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں رہتی جو مرنے کے بعد اسے پیش آنے والی ہے، اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو چاہنے لگتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو چاہتے ہیں اور بلاشبہ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ملنے کی خبر دی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ ناپسندیدہ نہیں ہوتی جو مرنے کے بعد اسے پیش آنے والی ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا۔"

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے؟"

آپ نے فرمایا "ہاں عورتوں پر وہ جہاد فرض ہے جس میں کشت و خون نہیں، حج اور عمرہ۔"

ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا

"کوئی شخص اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں، کیا کوئی بھی نہیں جا سکتا؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوے کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیوار پر ایک اچھا سا پردہ لٹکا لیا۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو اس پردے کو اس زور سے کھینچا کہ وہ پھٹ گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم نہیں دیا کہ ہم پتھروں اور مٹی کو لباس پہنائیں۔''

ایک مرتبہ چند یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ انہوں نے دبی آواز میں السلام علیکم کی بجائے السام علیکم کہا۔ سام موت کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ انہوں نے موت کی بددعا دی۔ یعنی تم پر موت ہو... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں صرف اتنا فرمایا:

''وعلیکم۔'' (یعنی اور تم پر موت ہو)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بس اتنا ہی فرمایا لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا غصے میں آگئیں اور فرمانے لگیں:

''تم پر موت ہو، اللہ کی لعنت ہو اور اللہ کا غضب نازل ہو۔''

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے عائشہ! ٹھہرو، نرمی اختیار کرو اور بدکلامی سے بچو۔''

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا ہے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اور تم نے سنا، میں نے کیا جواب دیا۔ میں نے ان کی بات ان پر لوٹا دی۔ اب اللہ تعالیٰ میری بددعا ان کے حق میں قبول فرمائیں گے... اور ان کی بددعا میرے حق میں قبول نہیں ہوگی۔''

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

"گناہوں کی کمی سے بہتر کوئی پونجی ایسی نہیں جسے تم لے کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو۔ جسے یہ خوشی ہو کہ عبادت میں محنت کرنے والے سے بازی لے جائے، اسے چاہیے کہ خود کو گناہوں سے بچائے۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک خط لکھا۔ اس خط میں آپ نے اپنے لیے نصیحت کرنے کی فرمائش کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے جواب میں فرمایا:

"تم پر سلام ہو۔ بعد سلام کے واضح ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضی کا خیال نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی شرارتوں سے بھی محفوظ فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی رکھنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہیں کرتے۔ اسے لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں... والسلام علیک"۔ (مشکوٰۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دین کا علم دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ انجام دیا۔ ان کے شاگردوں کی تعداد دو سو کے لگ بھگ ہے۔ ان میں صحابہ کرام بھی ہیں اور تابعین بھی۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد 48 سال اس دنیا میں گزارے... گویا 48 سال تک دین پھیلایا۔ آپ تقریباً بائیس سو احادیث کی راویہ ہیں۔

آپ سے دین سیکھنے کے لیے آنے والے لوگوں میں عورتیں تو آپ کے سامنے بیٹھ جاتی تھیں... مرد حضرات پردے کے دوسری طرف بیٹھتے تھے... یہ لوگ آپ سے دینی سوالات کرتے تھے اور آپ انہیں جواب بتاتی تھیں۔

نہیں دیکھا جس سے آپ کے حلق مبارک کو دیکھا جا سکتا۔ آپ تو بس مسکراتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے کبھی کسی کو نہیں مارا، نہ کسی بیوی کو، نہ کسی خادم کو۔ ہاں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اللہ کے دشمن کو مارا ہو تو اور بات ہے۔ اگر آپ کو کسی سے کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ اس کا بدلہ نہیں لیتے تھے، ہاں اللہ کے حکم کے خلاف کسی سے کوئی کام ہو جاتا تو آپ اللہ کے لیے اسے سزا دیتے تھے۔

آپ فرماتی ہیں:

''سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد سے فارغ ہو کر جب فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے اور میں جاگ رہی ہوتی تو آپ مسجد میں جانے تک مجھ سے باتیں کر لیتے تھے یا دائیں کروٹ میں لیٹ جاتے۔'' (مسلم)

آپ فرماتی ہیں۔

''سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز (نفل) پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو پہلے مختصر دو رکعت پڑھتے تھے۔ اس کے بعد لمبی سورتوں سے نماز ادا فرماتے اور غیر فرض نمازوں میں جس قدر فجر کی دو رکعتوں کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور کسی غیر فرض نماز کا اہتمام نہیں فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فجر کی دو سنتیں ساری دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہیں۔'' (مسلم)

آپ فرماتی ہیں۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھ کر لیٹ کر قرآن کی تلاوت کر لیتے تھے، حالانکہ میں ان دنوں ایام سے ہوتی تھی۔''

آپ فرماتی ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"میں اس حال کو یاد کرتی ہوں جس حال میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو چھوڑ کر تشریف لے گئے ہیں۔ اللہ کی قسم! کسی روز بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت اور روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔" (ترمذی)

پھر آپ نے یہ بھی فرمایا:

"ہم اگر چاہتے تو پیٹ بھر کر کھا لیتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔"

ایک روز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے میری بہن کے بیٹے! اللہ کی قسم! ہم تین چاند دیکھ لیتے تھے اور گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔"

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا

"خالہ جان! پھر آپ حضرات زندہ کیسے رہتے تھے؟"

آپ نے فرمایا:

"کھجوروں اور پانی پر گزارا کر لیتے تھے اور اس کے سوا یہ بھی ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے والے انصار اپنے دودھ اور جانوروں کا ہدیہ بھیج دیا کرتے تھے۔ آپ ان کا دودھ ہمیں پلاتے تھے۔" (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر بغیر چراغ روشن کیے اور بغیر پکایا جائے کئی کئی ماہ گزر جاتے تھے۔ اگر زیتون کا تیل مل جاتا تو تھوڑا سا ہونے کی وجہ سے چراغ میں

ڈالنے کے بجائے اسے بدن پر مل لیتے تھے۔ چربی مل جاتی تو اسے کھانے میں استعمال کر لیتے تھے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (تہجد کی نماز کے وقت) سو جاتی تھی اور میرے پاؤں آپ کے سامنے سجدے کی جگہ پھیلے ہوتے تھے۔ جب آپ سجدے میں جاتے تو میرے پاؤں کو ہاتھ لگا دیتے تاکہ میں پاؤں ہٹا لوں اور سجدے کی جگہ بن جائے۔ لہٰذا میں پاؤں سکیڑ لیتی۔ جب آپ سجدے سے فارغ ہو جاتے تو میں پاؤں پھیلا دیتی۔ اس زمانے میں گھر میں چراغ نہیں تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس بستر پر سوتے تھے، وہ چمڑے کا تھا، اس میں کھجور کی چھال بھری تھی۔ جس تکیے پر آپ سہارا لگا کر بیٹھا کرتے تھے، اس میں بھی کھجور کی چھال ہوتی تھی۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گھر میں کپڑے بھی زیادہ نہیں تھے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پاک کیا تو آپ اسی کو پہن کر مسجد میں نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ یعنی ابھی وہ کپڑا گیلا ہوتا تھا۔

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں شام اور مصر کا مال دوسرے علاقوں میں تجارت کے لیے لے جاتا تھا۔ ایک مرتبہ عراق میں گیا۔ واپس آیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں بتایا:

''میں پہلے تجارت کا سامان شام لے کر جاتا تھا۔ اس مرتبہ عراق لے گیا... ''یعنی

اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"تم نے ایسا کیوں کیا تجارت کے لیے اپنا سابقہ ٹھکانہ کیوں چھوڑتے ہو۔ میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب اللہ جل شانہ تمہارے لیے کسی ذریعے رزق کے اسباب پیدا فرما دے تو جب تک وہ سبب خود ہی بدل نہ جائے یا دو مرا رخ اختیار نہ کرلے تو اسے نہ چھوڑو۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مجھے ان چیزوں کی فضیلت حاصل ہے۔

نکاح سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام میری تصویر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔

O میرے علاوہ اور ایسی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نہیں آئی جس کے ماں باپ دونوں نے ہجرت کی ہو۔

O اللہ تعالیٰ نے آسمان سے میری برأت نازل فرمائی۔ (یعنی مجھ پر لگنے والے الزام کو جھوٹ قرار دیا)

O رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حالت میں وحی آتی تھی کہ میں آپ کے ساتھ لحاف میں لیٹی ہوتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں وفات پائی کہ آپ میری گردن اور گود کے درمیان میں تھے اور دن میری باری کا تھا۔

اور میرے ہی گھر میں دفن ہوئے۔

میں نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا۔

( ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھی۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت میرے اور فرشتوں کے علاوہ وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ (الاصابہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"عائشہ کی فضیلت عورتوں میں ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔"

ثرید کو عرب میں تمام کھانوں میں فضیلت حاصل تھی۔ روٹی کو شوربے دار گوشت میں پکایا جاتا تھا، اسے ثرید کہتے ہیں۔

ایک روز جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے عائشہ! یہ جبرئیل ہیں۔ تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔"

آپ نے جواب میں فرمایا "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

نکاح سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام سبز ریشم کے کپڑے میں آنحضرت کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر لے کر آئے اور عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی بیوی ہیں۔"

آپ اکثر روزے رکھتی تھیں۔ نفل نمازیں بھی بہت پڑھتی تھیں۔ چاشت کی نماز کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ آپ چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں:

"میرے ماں باپ بھی اگر قبر سے اٹھ کر آ جائیں، تب بھی میں اس نماز کو نہیں چھوڑوں گی۔"

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ صبح کے وقت گھر سے نکلتے تو سب سے پہلے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر جاتے اور انہیں سلام کرتے۔ (یہ ان کے بھائی کے بیٹے تھے) ایک مرتبہ وہاں گئے تو دیکھا کہ آپ کھڑی نفل پڑھ رہی ہیں۔

میں ان کے سلام پھیرنے کے انتظار میں کھڑا رہا... یہاں تک کہ تھک گیا اور آپ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلا آیا۔ میں نے دیکھا وہ اس وقت رو رہی تھیں۔ (صفۃ الصفوۃ)

آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی تہجد پڑھتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اس کا اہتمام کرتی رہیں۔ (مسند احمد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ تہجد پڑھتی رہیں۔ کثرت سے روزے رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ نو ذی الحجہ کو روزے سے تھیں۔ سخت گرمی کی وجہ سے سر پر پانی کے چھینٹے دے رہی تھیں۔ آپ کے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے یہ حال دیکھ کر عرض کیا:

''اس شدید گرمی میں نفل روزہ کوئی ضروری نہیں... افطار کر لیں۔'' (یعنی روزہ توڑ دیں)

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے سال بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔'' (مشکوٰۃ)

شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا ہے، آپ ان میں چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بھی بچتی تھیں۔ راستے میں گھنٹی کی آواز آ جاتی تو رک جاتیں تاکہ آواز کانوں میں نہ آئے۔ نیکیوں کو پھیلانے کے ساتھ ساتھ برائیوں سے روکتی بھی تھیں۔

آپ نے ایک مکان کرایے پر دیا۔ کرائے دار کے بارے میں آپ کو معلوم ہوا کہ وہ شطرنج کھیلتا ہے۔ آپ نے کہلوا بھیجا:

''اس حرکت سے باز آ جاؤ... ورنہ مکان سے نکلوا دوں گی۔''

پاس آئے اور آپ کو ڈانٹنے لگے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹنے کے ساتھ ساتھ کمر میں کچوکے بھی مارے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ران پر سر رکھے سو رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس خیال سے حرکت تک نہ کی کہ آپ کی آنکھ کھل جائے گی اور آپ بے آرام ہوں گے۔ آپ سوتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور پانی موجود نہیں تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرما دی۔ سب نے تیمم کیا اور نماز ادا کی۔ یہ سب دیکھ کر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ خوشی سے کھل اٹھے اور پکارے:

''اے ابوبکر کے گھر والو! تم واقعی بہت برکت والے ہو، یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے۔'' یعنی پہلے بھی تم لوگوں کی وجہ سے برکتیں نازل ہو چکی ہیں۔

پھر جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والے اونٹ کو اٹھایا گیا تو آپ کا ہار اس کے نیچے سے مل گیا۔ اس طرح امت کو تیمم کی سہولت ملی۔

آپ کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر قرآن کا علم رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ نہ اسلام کے فرائض، حلال و حرام کا جاننے والا اور عرب کے واقعات کا جاننے والا آپ سے بڑھ کر کوئی دیکھا۔ آپ اہلِ عرب کے نسب کی بھی سب سے زیادہ واقف تھیں۔''

اس کے علاوہ آپ حکمت بھی جانتی تھیں، لوگوں کو امراض کی دوائیں بتا دیتی تھیں۔

اسی لیے ایک مرتبہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

''اے اماں جان! مجھے آپ کے فقیہ ہونے پر حیرت نہیں، کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی

دور نہیں ہوتی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے عائشہ! منکر نکیر کی آواز کا مومن کے کانوں کو بھانا ایسا ہوتا ہے جیسے کسی کے سر میں درد ہو اور اس کی شفیق ماں اس کے سر کو بہت آہستہ دبائے اور وہ اس سے راحت پائے۔"

پھر آپ نے فرمایا:

"اے عائشہ! اللہ کے بارے میں شک کرنے والوں کے بارے میں بڑی خرابی ہے اور وہ قبر میں اس طرح بھینچے جائیں گے جیسے انڈے پر پتھر رکھ کر دبا دیا جائے۔"

آپ فرماتی ہیں کہ ایک روز آپ کے گھر میں ایک یہودی عورت آئی۔ اس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا۔ ساتھ ہی اس نے کہا:

"اللہ تعالیٰ تجھے قبر کے عذاب سے پناہ میں رکھے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو میں نے آپ سے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! کیا قبر میں عذاب ہوتا ہے؟"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"قبر کا عذاب حق ہے۔"

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد قبر کے عذاب سے پناہ مانگنے لگے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی خالہ کی بے پناہ سخاوت کو دیکھ کر ایک دن کسی سے یوں کہہ دیا:

"یا تو وہ اس طرح خرچ کرنے سے رک جائیں ورنہ میں ان کا ہاتھ روک دوں گا۔"

یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تک بھی پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا:

"اچھا؟ عبداللہ نے ایسا کہا ہے۔"

حاضرین میں سے کسی نے کہا:

"جی ہاں! انھوں نے ایسا ہی کہا ہے۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

"میں نے نذر مانی کہ زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے کبھی نہیں بولوں گی۔"

اس کے بعد ایک مدت سے بول چال بند رکھی۔ پھر کچھ حضرات درمیان میں پڑے، تب کہیں جا کر بولنا شروع کیا۔ آپ چونکہ نذر مان چکی تھیں اور نذر کے ٹوٹنے پر ایک غلام آزاد کرنا پڑتا ہے، اس لیے ایک غلام آزاد کر دیا، لیکن خوف خدا کا عالم یہ تھا کہ ایک غلام آزاد کرنے کے بعد بھی بار بار اس سلسلے میں غلام آزاد کرتی رہیں کہ شاید اب خطا معاف ہو جائے۔ اب معاف ہو جائے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ سے عمر میں چند سال بڑی تھیں، لیکن ان کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بعد میں ہوئی تھی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پہلے آ گئی تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کی تیاریوں میں حضرت عائشہ صدیقہ نے بھرپور حصہ لیا۔ ان کا مکان لیپا، بستر لگایا، اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دھن کر تکیے بنائے۔ لکڑی کی الگنی تیار کی، تاکہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں۔ آپ خود بیان کرتی ہیں:

"فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیاہ سے اچھا میں نے کوئی بیاہ نہیں دیکھا۔"

شادی کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جس گھر میں گئیں، اس میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں صرف ایک دیوار کا فاصلہ تھا۔ درمیان میں ایک دریچہ تھا۔ اس دریچے سے آپس میں بات چیت ہو جاتی۔

حدیث کی کتابوں میں کوئی صحیح واقعہ ایسا نہیں جس سے ثابت ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دل آپس میں صاف نہیں تھے۔ احادیث سے یہی ثابت ہے کہ دونوں میں بے حد محبت اور میل ملاپ تھا۔

ایک تابعی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''فاطمہ۔''

پھر فرمایا: ''میں نے فاطمہ سے زیادہ اٹھنے بیٹھنے کے طریقوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا کسی اور کو نہیں دیکھا۔ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چوم لیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ (مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ایک دن ہم سب بیویاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آ گئیں۔ ان کی چال بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چال تھی۔ ذرا بھی فرق نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت عزت سے ان کو پاس بٹھایا۔ پھر دبی آواز میں ان کے کان میں کچھ فرمایا۔ وہ سن کر رونے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بے قراری دیکھ کر پھر کان میں کچھ فرمایا تو وہ ہنسنے لگیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے ان سے کہا:

''فاطمہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف تم سے اپنے راز کی باتیں کہتے ہیں اور تم روتی ہو۔''

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے گئے تو میں نے ان سے پوچھا:

کہ اس غزوے میں کوئی خوں ریز جنگ نہیں ہوگی، چنانچہ ان کی اچھی خاصی تعداد اسلامی لشکر میں شامل ہوگئی۔ اس سے پہلے منافق لوگ اتنی بڑی تعداد میں اسلامی لشکر میں کبھی شامل نہیں ہوئے تھے۔

اس سفر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام قرعہ نکلا تھا، لہٰذا آپ ساتھ تھیں۔ روانہ ہوتے وقت آپ نے اپنی بڑی بہن اسماء رضی اللہ عنہا کا ہار پہننے کے لیے لے لیا۔ وہ آپ کے گلے میں تھا۔ ہار کی لڑیاں کمزور تھیں۔ ٹوٹ جاتی تھیں۔

اس زمانے میں پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ اس پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے محمل میں سوار ہوتی تھیں۔ ڈولی کی قسم کی چیز کو محمل کہتے ہیں۔ آپ اس میں بیٹھ جاتیں اور محمل اونٹ پر رکھ دیا جاتا۔ اترنے کی ضرورت پیش آتی تو خادم محمل کو اٹھا کر زمین پر رکھ دیتے۔ اس طرح آپ محمل سے باہر نکل کر اپنی ضرورت سے فارغ ہو لیتیں۔

غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر ایک جگہ لشکر نے پڑاؤ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے پچھلے پہر لشکر کو روانگی کا حکم فرمادیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ قافلے کے روانہ ہونے سے کچھ دیر پہلے آپ قضاء حاجت کے لیے قافلے سے کچھ دور چلی گئیں۔ فارغ ہو کر لوٹیں تو گلے پر ہاتھ رکھ کر ٹٹولا۔ معلوم ہوا، ہار گلے میں نہیں تھا۔ آپ گھبراہٹ میں اس جگہ واپس گئیں اور ہار تلاش کرنے لگیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ہار وہاں ٹوٹ کر گر گیا تھا اور اس کے دانے بکھر گئے تھے۔ ان دانوں کو جمع کرنے میں آپ کو دیر ہوگئی۔ جب آپ ہار کی تلاش میں واپس لوٹیں تھیں تو آپ کو اندازہ تھا کہ جلد لوٹ آئیں گی، اس لیے کسی کو نہ بتایا کہ وہ ہار کی تلاش میں جا رہی ہیں۔ نہ محمل اٹھانے والوں کو بتایا۔

ادھر لشکر روانگی کے لیے تیار تھا۔ لہٰذا ساربانوں نے محمل اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔

اس زمانے میں آپ دبلی پتلی تھیں۔ آپ کا وزن بہت کم تھا، اس لیے محمل اٹھانے والوں کو پتا نہ چلا کہ آپ اس میں نہیں ہیں۔ ان کا خیال یہی تھا کہ آپ محمل میں ہیں۔ اس طرح قافلہ وہاں سے آپ کے بغیر روانہ ہو گیا۔ آپ کو ہار کے دانے مل گئے تو آپ واپس لوٹیں اور یہ دیکھ کر پریشان ہو گئیں کہ قافلہ وہاں سے جا چکا تھا۔ وہ جگہ بالکل سنسان تھی۔ آپ نے سوچا، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگا کہ میں محمل میں نہیں ہوں تو آپ میری تلاش میں کچھ ساتھیوں کو اس طرف بھیجیں گے۔ یہ سوچ کر آپ نے چادر تانی اور ایک درخت کے نیچے لیٹ گئیں۔ لیٹتے ہی آپ کو نیند نے آلیا۔

حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ لشکر میں ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ قافلے کے پیچھے رہتے تھے۔ جب قافلہ روانہ ہو جاتا تو لوگوں کی گری پڑی رہ جانے والی چیزوں کو سمیٹ کر آگے روانہ ہوتے تھے۔ صبح کے وقت وہ اس مقام پر آئے تو انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا۔ انہوں نے نظر پڑتے ہی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

ان کی آواز سن کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے فوراً چہرہ ڈھانپ لیا۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے آپ سے کوئی بات نہیں کی۔ نہ آپ نے ان سے بات کی۔ انہوں نے اپنا اونٹ لا کر آپ کے قریب بٹھا دیا۔ خود پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ تب حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی مہار پکڑی اور اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے اور دوپہر کے وقت قافلے میں پہنچے۔

جب منافقوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آتے دیکھا تو وہ باتیں بنانے لگے۔ اس وقت ان میں منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی سلول بھی تھا۔ اس نے الزامات لگانا شروع کر دیے۔ سارے لشکر میں اس بات کو پھیلا دیا۔

جب سب لوگ مدینہ پہنچ گئے تو عبداللہ بن ابی بن سلول شہر میں اس بات کو پھیلانے لگا۔ صحابہ کرام نے اس کی ان حرکات کی خبریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائیں۔ آپ بھی بہت رنجیدہ ہوئے، تاہم آپ نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔

ادھر عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان باتوں کا بالکل کوئی علم نہیں تھا، کیونکہ مدینہ طیبہ پہنچنے پر آپ بیمار ہو گئی تھیں۔ آپ تقریباً ایک ماہ بیمار رہیں۔ منافقوں نے اس واقعے کو خوب اچھالا، نیک دل مسلمانوں نے تو اس واقعے کو سن کر فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے اور بولے:

"یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔"

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا:

"اے ام ایوب! اگر تم سے کوئی یہ بات کہتا تو کیا تم مان لیتیں۔"

وہ فوراً بولیں:

"استغفر اللہ! کیا کسی شریف خاتون کا یہ کام ہے۔" یعنی کوئی شریف خاتون کیا ایسا کر سکتی ہے۔

اس پر حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تو پھر سیدہ عائشہ صدیقہ تم سے زیادہ شریف ہے۔"

منافقوں نے اپنے علاوہ تین مسلمانوں کو بھی بدگمان کر ڈالا۔ یہ تین مسلمان حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا اور مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان میں سے حضرت حسان اور حمنہ بنت جحش اس سفر میں شریک بھی نہیں تھے۔ بس منافقوں کے جال میں آ کے بدگمان ہو گئے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ تو مشہور شاعر ہیں۔ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے

قریبی عزیز تھے۔ ان کی والدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن تھیں اور مسطح رضی اللہ عنہ رشتے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔ اس طرح عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کی ماموں زاد بہن تھیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تو بس عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حال پوچھ لیتے۔ آپ کی طرف زیادہ توجہ نہ فرماتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس فرق کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکیں اور پریشان رہنے لگیں کہ نہ جانے کیا بات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پہلے کی طرح پیار اور محبت سے پیش نہیں آتے۔

ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام مسطح رضی اللہ عنہا کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف گئیں۔ عرب کا قدیم طریقہ یہی تھا۔ بدبو کی وجہ سے گھروں میں بیت الخلا نہیں بناتے تھے۔ دونوں چلی جا رہی تھیں کہ ام مسطح رضی اللہ عنہا کو کسی چیز سے ٹھوکر لگیں۔ اس پر ان کے منہ سے نکل گیا:

"برا ہو مسطح کا۔"

یہ جملہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حیران ہوئیں اور فرمانے لگیں:

"یہ کیا! تم اپنے بیٹے کو کیوں برا کہہ رہی ہو۔ وہ تو غزوہ بدر میں شرکت کر چکا ہے۔"

اب ام مسطح رضی اللہ عنہا نے کہا:

"اے بھولی بھالی! کیا تمہیں اس قصے کی خبر نہیں؟"

حضرت عائشہ صدیقہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیسا قصہ؟"

اب ام مسطح رضی اللہ عنہا نے ساری بات تفصیل سے سنائی کہ منافق لوگوں نے کیا گل کھلائے ہیں اور ان پر کیا الزام لگایا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دھک سے

رہ گئیں۔ آپ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ مرض میں اور اضافہ ہو گیا۔ اسی وقت گھر لوٹ آئیں۔ آپ کے بخار میں تیزی آ گئی۔ ساری بات سن کر انھیں صدمہ ہی اس قدر پہنچا تھا۔

پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو آپ نے عرض کیا:

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے ماں باپ کے گھر جانا چاہتی ہوں۔"

یہ آپ نے اس لیے کہا کہ گھر جا کر ماں باپ سے اس بارے میں تصدیق کرنا چاہتی تھیں، کیونکہ صرف ام مسطح رضی اللہ عنھا کی زبان سے سن کر انھیں پوری طرح یقین نہیں آیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔

اپنے ماں باپ کے گھر آتے ہی آپ نے والدہ سے کہا:

"اے اماں جان! آپ کو معلوم ہے، لوگ میرے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں۔"

والدہ نے کہا:

"ہاں بیٹی! مجھے معلوم ہے، لیکن تو رنج نہ کر، دنیا کا تو یہی طریقہ ہے۔ جب کوئی عورت خوب صورت ہو، نیک سیرت ہو، اپنے شوہر کے نزدیک بلند مرتبہ ہو تو دوسری عورتیں اس سے حسد کرنے لگتی ہیں۔ اس پر طرح طرح کے الزامات لگانے لگتی ہیں۔"

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا بولیں:

"سبحان اللہ! اس کا مطلب ہے، لوگوں میں اس بات کا چرچا ہے، تو کیا میرے باپ کو بھی علم ہے۔"

ماں نے جواب دیا: "ہاں! انھیں بھی معلوم ہے۔"

اب سیدہ نے پوچھا: "اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم ہے۔"

ماں نے جواب دیا:

"ہاں! انھیں بھی علم ہے۔"

خوبی کے سوا کبھی کوئی بات نہیں دیکھی۔ ان میں تو سراسر بھلائی ہی بھلائی ہے۔ آپ ان افواہوں کی کچھ پروا نہ کریں۔"

آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رائے معلوم کی تو انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر کوئی تنگی نہیں ہے۔ آپ گھر کی خادمہ سے پوچھ گچھ کرلیں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا:

"مجھے تو ان میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ یہ کم عمر ہیں اور بعض اوقات تو آٹا گوندھتے گوندھتے سو جاتی ہیں۔" مطلب یہ تھا کہ وہ تو اس قدر بھولی بھالی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی پوچھا۔ وہ بولیں:

"اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں نے تو عائشہ میں خیر کے سوا کچھ بھی نہیں دیکھا۔"

اس کے بعد آپ مسجد میں تشریف لائے، منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں کے سامنے پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان فرمائی، پھر فرمایا:

"مسلمانو! میری طرف سے اس شریر کو کون سزا دے گا جس کے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میرے اہل بیت پر الزام لگاتا ہے جس نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ اللہ کی قسم! میں اپنے اہل میں سوائے نیکی اور پاک دامنی کے کچھ نہیں پاتا اور اس بارے میں جس شخص (یعنی حضرت صفوان) کا نام لیا جارہا ہے، اس میں بھی میں نے سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔"

یہ سن کر قبیلہ بنی اوس کے سردار سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ اگر یہ شخص ہمارے
قبیلے کا ہوا تو ہم خود ہی اس کی گردن اڑا دیتے ہیں اور اگر وہ قبیلہ بنی خزرج کا ہوا تو جو آپ حکم
دیں گے کر دیں گے۔"

اس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی فیصلہ نہ فرمایا۔ دونوں قبیلے اس بات پر اڑ
گئے تھے کہ اس منافق کو قتل کر دیں گے۔ اس بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی
اختیار فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"یہ دن بھی میرا روتے ہوئے گزرا۔ ایک لمحے کے لیے بھی آنسوؤں کی بارش نہ
رکی۔ رات بھی اسی طرح گزری۔ میرے ماں باپ پریشان تھے کہ کہیں غم سے میرا کلیجہ نہ
پھٹ جائے۔ صبح ہوئی تو میرے ماں باپ میرے بالکل قریب آ کر بیٹھ گئے اور میں برابر
روئے جا رہی تھی۔ میں اس وقت بھی رو رہی تھی۔ ایسے میں ایک انصاری عورت آ کر میرے
پاس بیٹھ گئی۔ مجھے روتے دیکھ کر وہ بھی رونے لگی۔ ابھی ہم اسی حالت میں تھے کہ حضور نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے سلام کیا اور میرے پاس آ کر بیٹھ
گئے۔ جب سے یہ واقعہ ہوا تھا اس وقت سے آپ میرے قریب نہیں بیٹھے تھے۔ ایک ماہ
گزر چکا تھا، اس دوران وحی بھی نہیں آئی تھی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا:

"اے عائشہ! مجھے تمہارے بارے میں ایسی ایسی خبریں پہنچی ہیں، اگر تو اس گناہ
سے بری ہے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد تیری برأت کرے گا اور اگر تو نے کوئی گناہ کیا ہے تو اللہ تعالیٰ
سے توبہ استغفار کر، اس لیے کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع
کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔"

جب یہ کیفیت ختم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے جو وحی نازل فرمائی تھی، وہ پوری ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنستے ہوئے سب سے پہلے یہ جملہ فرمایا:

''اے عائشہ! اللہ کی تعریف کرو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں بری کر دیا۔''

یہ سنتے ہی میرے ماں باپ بول اٹھے:

''عائشہ کھڑی ہو جاؤ! آنحضرت کے سامنے چلو اور آپ کا شکریہ ادا کرو۔''

اس وقت میں بہت زیادہ رنج کی حالت میں تھی، لہٰذا میں نے ان کی بات سن کر کہا:

''میں اس معاملے میں اپنے اللہ کا شکر کیوں نہ ادا کروں جس نے میری برأت فرمائی۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت کے سلسلے میں جو آیات نازل ہوئیں، وہ یہ ہیں:

''جن لوگوں نے یہ تہمت گائی ہے، وہ تمہارے درمیان ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔ تم اس بہتان کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ (انجام کے اعتبار سے) تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کو جتنا کچھ اس نے کہا، اس کا گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس بہتان میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس کے لیے دردناک سزا ہے۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے سلسلے میں عبداللہ بن ابی بن سلول سب سے آگے تھا، یہ منافقوں کا سردار تھا۔ اس نے اس واقعے کو خوب اچھالا تھا۔ باقی رہے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت مسطح رضی اللہ عنہ اور حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا۔ یہ تینوں مخلص مسلمان تھے، لیکن منافقوں کی باتوں میں آ گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے تقریباً دو رکوع سورۂ نور میں نازل فرمائے۔ دراصل اس واقعے نے جتنے تاریخ میں واقعات اتفاق لکھا گیا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی ثابت کر دی۔ آپ کی عقل اور سوجھ بوجھ کو روشن کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے

میں فرمایا:

"تم اس حادثے کو اپنے لیے شر نہ سمجھو، یہ تمہارے لیے خیر ہے۔"

اور ظاہر ہے، اس سے بڑی خیر کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت نازل فرما کر آپ کی پاک دامنی کی گواہی دی اور یہ آیات قیامت تک تلاوت کی جاتی رہیں گی۔

اس اہم ترین واقعے میں اور بھی بہت سی حکمتیں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے۔ ورنہ ایک ماہ تک اپنی زوجہ محترمہ کو اور ان کے ماں باپ کو رلانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ فوراً ہی فرما دیتے کہ یہ بہت بڑا بہتان ہے، مگر یہ اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقریباً ایک ماہ بعد ہوا۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی نازل ہوتی تھی، اسے چھپانے کا اختیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں تھا۔ جو کچھ نازل ہوتا تھا، وہ آپ دوسروں کو سناتے تھے۔ لہٰذا یہ پورا واقعہ مسلمانوں کے لیے خیر ہی خیر ہے۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام چھپی اور غائب باتوں کا، ہر ہر چیز کا علم نہیں تھا۔ یہ جاہلوں کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اور ولی سب کچھ جانتے ہیں۔ صحیح عقیدہ جو قرآن وسنت سے ثابت ہے یہ ہے کہ عالم الغیب، ہر شے کا علم رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے ساری مخلوق سے زیادہ علم عطا کیا تھا مگر عالم الغیب نہیں بنایا تھا۔ اگر عالم الغیب ہوتے تو اتنے دنوں تک وحی کا انتظار کیوں فرماتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے تمام ازواج مطہرات کے پاس بیٹھتے تھے۔ اس معمول میں قدرے فرق اس طرح آیا کہ آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں کچھ زیادہ وقت کے لیے بیٹھنے لگے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی تو پتا چلا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

کے ہاں کہیں سے شہد آگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ شہد بہت پسند تھا، اس لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کو شہد پیش کرتی تھیں۔ اس وجہ سے قدرے زیادہ وقت لگ جاتا تھا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے اس بات کا ذکر کیا اور مشورہ دیا کہ اس سلسلے میں کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت نفاست پسند تھے۔ ذرا سی بو بھی آپ کو ناگوار گزرتی تھی اور شہد کی مکھیاں جس قسم کے پھولوں سے رس چوستی ہیں، شہد کی مٹھاس میں اس قسم کے پھولوں کی لذت اور بو ہوتی ہے۔ عرب میں ایک پھول کا نام مغافیر ہے۔ یہ قدرے تیز بو والا پھول ہے۔ شہد کی مکھیاں عام طور پر وہاں اس پھول پر بیٹھتی ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دونوں کو سمجھا دیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو پوچھنا چاہیے کہ آپ کے منہ سے یہ بو کیسی آرہی ہے۔ جب آپ بتائیں کہ شہد کھایا ہے تو کہنا چاہیے اس میں مغافیر کی بو ہے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"ٹھیک ہے! اب میں شہد نہیں کھاؤں گا۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے فوراً یہ آیت نازل فرمائی۔

"اے پیغمبر! اللہ نے آپ کے لیے جو حلال کیا ہے، اسے اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اس نے آپ کی قسم کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا مولیٰ اور علم و حکمت والا ہے۔" (سورہ تحریم ۱۔۲)

اس آیت کے ذریعے بتا دیا گیا کہ آپ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہیں کرتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر ابھی صرف اٹھارہ سال کی تھی کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آگیا۔

11 ہجری میں ماہ صفر کی آخری تاریخوں میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لائے تو آپ کے سر میں درد تھا۔ وہاں سے آپ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے اور طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے بستر پر لیٹ گئے۔ تمام بیویوں کو آپ کی طبیعت کی خرابی کی خبر ہوگئی۔ سب آپ کے گرد جمع ہوگئیں۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اس حالت میں آپ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ سب نے خوشی سے اجازت دے دی۔ آپ وہاں سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے آئے اور اس دنیا میں آخری وقت تک پھر وہیں رہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے انتقال کے وقت کی جس قدر روایات ہیں، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت کی گئی ہیں۔

سر درد کے ساتھ آپ کو بخار بھی ہوگیا تھا اور مرض میں روز بروز شدت آرہی تھی۔ آپ کی ازواجِ مطہرات تیمارداری میں لگی تھیں اور اللہ تعالیٰ سے آپ کی صحت کے لیے دعائیں کر رہی تھیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت آچکا تھا۔ وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک سیدہ کی گود میں تھا۔ آپ فرماتی ہیں:

''اچانک مجھے آپ کے بدن کا بوجھ محسوس ہوا۔ آپ کی آنکھیں دیکھیں تو وہ کھلی تھیں۔ میں نے آپ کا سر مبارک تکیے پر رکھ دیا اور رونے لگی۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے ہی میں دفن کیا گیا اور یہ جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔ ایک مرتبہ سیدہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ تین چاند ٹوٹ کر آپ کے حجرے میں آگرے ہیں۔ آپ نے اس خواب کا ذکر اپنے والدِ محترم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا تھا جب سرکارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

رہے۔ 13 ہجری میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ نزع کے وقت سیدہ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھیں۔ آپ نے ان سے پوچھا:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کتنے کپڑے تھے؟''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: ''تین سفید کپڑے۔''

انھوں نے پوچھا: ''آپ نے کس روز وفات پائی تھی۔''

سیدہ نے جواب دیا: ''پیر کے روز۔''

آپ نے پوچھا: ''آج کون سا دن ہے۔''

انھوں نے بتایا: ''آج پیر ہے۔''

اس پر ابو بکر صدیق نے فرمایا: ''آج رات تک میرا بھی چل چلاؤ ہے۔''

پھر فرمایا: ''مجھے انھی کپڑوں میں دفن کیا جائے۔''

ان سے کہا گیا: ''یہ پرانے کپڑے ہیں۔''

آپ نے فرمایا: ''نئے کپڑوں کی ضرورت مردوں کی نسبت زندوں کو زیادہ ہے۔'' (بخاری)

آپ اسی روز انتقال کر گئے۔ آپ کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ یہ دوسرا چاند تھا جو آپ کے حجرے میں اتر آیا تھا۔

سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام ازواج مطہرات کو بارہ ہزار درہم سالانہ دیا جاتا تھا۔ کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''آپ نے ان کے لیے یہ رقم کیوں مقرر کی؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب اور منظور نظر تھیں۔''

عراق فتح ہوا تو مالِ غنیمت میں موتیوں کی ایک ڈبیہ بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا:

''اگر آپ لوگ اجازت دے دیں تو میں یہ موتی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دوں، کیونکہ سیدہ عائشہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب تھیں۔'' سب نے خوشی سے اجازت دے دی۔ چنانچہ ڈبیہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھیج دی گئی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہوں، لیکن آپ نے اس خواہش کا کبھی اظہار نہیں کیا تھا جب آپ کا آخری وقت آ پہنچا تب یہ خواہش ظاہر کی اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا اور ان سے فرمایا:

''ام المومنین کو میری طرف سے سلام کہنا اور عرض کرنا عمر کی خواہش ہے کہ وہ اپنے رفیقوں کے پہلو میں دفن ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''وہ جگہ میں نے اپنے لیے رکھی تھی، لیکن عمر کی خوشی کے لیے ان کے لیے یہ اجازت دیتی ہوں۔''

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کے حجرے میں یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ اس طرح اس حجرے میں تیسرا چاند اتر آیا۔

آپ تمام مسلمانوں کی ماں تھیں۔ مسلمانوں کو ان سے بہت محبت تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ نے ایک ماں ہونے کے ناطے بہت اہم کردار ادا کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں عبداللہ ابن سبا نے اسلامی سلطنت کے خلاف ایک

بہت بڑی سازش شروع کی۔ یہ شخص یہودی تھا پس ظاہر میں مسلمان تھا۔ اس نے سازش کا ایک جال چاروں طرف بچھا دیا۔ آج تک مسلمان اس سازش کے نقصانات بھگت رہے ہیں۔

اس کی سازش کا اصل نکتہ یہ تھا کہ وہ لوگوں میں کہتا پھرتا تھا:

"لوگو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے اصل جانشین دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں وصیت کر دی تھی کہ میرے بعد انھیں خلیفہ بنایا جائے۔"

یہ بات لے کر اس نے ساری اسلامی ریاست کا دورہ کیا۔ ہر طرف یہ بات خوب پھیلائی۔ اس زمانے میں کوفہ، بصرہ اور مصر اسلامی فوج کی بڑی بڑی چھاؤنیاں تھیں۔ وہاں اس نے زیادہ کوشش کی اور اپنے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ حج کا زمانہ آیا تو یہ سب لوگ حجاز پہنچ گئے اور وہاں بھی ان باتوں کو پھیلانے لگے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ نے انھیں سمجھایا اور واپس جانے پر آمادہ کر لیا۔ یہ لوگ چلے تو گئے، لیکن کچھ دور جا کر پھر لوٹ آئے۔ صحابہ کرام کو ان کے دوبارہ آنے کی اطلاع ملی تو فوراً ان کے پاس پہنچے۔ ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا:

"کیا بات ہے۔ تم پھر آ گئے؟"

اس پر ان میں سے ایک نے کہا: "ہمارے پاس ایک خط ہے۔ یہ خط مصر کے گورنر کے نام لکھا گیا ہے۔ اس خط میں انھوں نے لکھا ہے کہ جب یہ لوگ مصر پہنچیں تو ان کے سرغنوں کو فوراً قتل کر دو۔ باقیوں کو قید میں ڈال دو اور یہ خط مروان بن حکم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔" ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم کے ہاتھ سے لکھوایا ہے۔ مروان حضرت عثمان کے قریبی رشتے دار تھے۔ اس خط پر حضرت عثمان رضی

ہو گئی ہے۔ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔"

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"ہمیں سوچنا ہوگا کہ اب کیا کیا جائے۔"

اب یہ حضرت واپس مکہ معظمہ آ گئے۔ لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی تو ان کے ارد گرد جمع ہونے لگے۔

اس موقعے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کریم کی آیت تلاوت کی۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

"اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو۔ پس اگر ایک جماعت دوسری پر ظلم کرے تو ظلم کرنے والی جماعت سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے تو دونوں میں صلح کرا دو۔" (سورۃ الحجرات: ۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو اللہ کا یہ حکم سنایا۔ آپ بہت بہادر تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض غزوات میں شریک رہ چکی تھیں۔ آپ غزوہ بدر میں بھی گئی تھیں۔ غزوہ احد میں جب مسلمان دشمنوں میں گھر گئے تھے اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ رہے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مشک کاندھے پر ڈال کر زخمیوں کو دوڑ دوڑ کر پانی پلا رہی تھیں۔ غزوہ خندق میں جب مسلمان گھیرے میں تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زنانہ قلعے سے نکل کر جنگ کی حالت دیکھا کرتی تھیں۔ (مسند امام احمد)

مطلب یہ کہ بہت دلیر تھیں، مسلمانوں کی اصلاح کرنے کی خواہش مند تھیں۔ اس موقعے پر اسی لیے آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

آپ نے ان سب سے یہ بھی فرمایا:

"اللہ کی قسم عثمان مظلوم مارے گئے۔ میں ان کے خون کا بدلہ لوں گی افسوس! ادھر ادھر کے آئے ہوئے بلوائیوں نے مدینہ کے غلاموں کے ساتھ مل کر بلوہ کیا۔ انھوں نے ناحق عثمان کی مخالفت کی۔ جس خون کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا، انھوں نے اس کو بہایا۔ جس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا دارالہجرت بنایا تھا، انھوں نے وہاں خوں ریزی کی اور جس مہینے میں خوں ریزی منع تھی، اس مہینے میں خوں ریزی کی، جس کا مال لینا جائز نہیں تھا، اسے لوٹا۔ اللہ کی قسم عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک انگلی بلوائیوں جیسے تمام لوگوں سے افضل ہے جس وجہ سے یہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے دشمن ہوئے تھے، عثمان رضی اللہ عنہ اس سے پاک صاف ہیں۔"

عرب کے دو رئیسوں نے کئی لاکھ درہم اور سواریوں کے اونٹ مہیا کیے۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی قیام گاہ پر جلسہ ہوا... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رائے یہ تھی:

"اس وقت چونکہ سبائی لوگ اور باغی مدینہ منورہ ہی میں ہیں، اس لیے ادھر کا رخ کیا جائے۔"

اس پر کچھ اور لوگوں نے مشورے دیے اور آخر طے یہ پایا کہ پہلے بصرہ چلا جائے... آخر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قافلے کے ساتھ بصرہ روانہ ہوئیں... امہات المومنین اور عام مسلمانوں نے دور تک آکر اس قافلے کو رخصت کیا۔ اس وقت وہ لوگ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

"آہ! مسلمانوں پر کتنا نازک وقت آیا ہے۔"

اس موقعے پر کچھ فتنہ پرور لوگ بھی اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ اسلام کو اندر ہی اندر کمزور کرنے والے لوگ شروع سے چلے آرہے تھے، لیکن پہلے انہیں کھل کر کام کرنے کا

حاکم عثمان بن حنیف تھے۔ انہوں نے صورت حال معلوم کرنے کے لیے دو آدمیوں کو بھیجا۔ یہ دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا:

''ہمیں بصرہ کے والی عثمان بن حنیف نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کس لیے تشریف لائی ہیں؟''

ان کی بات کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! مجھ جیسے لوگ کسی بات کو چھپا کر گھر سے نہیں نکلتے اور نہ کوئی ماں اصل بات بیٹوں سے چھپا سکتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قبائل کے آوارہ لوگوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا... مدینہ حرم محترم ہے۔ ان لوگوں نے وہاں فتنہ بپا کیا اور فتنہ پردازوں کو پناہ دی۔ اس بنیاد پر وہ اللہ کی لعنت کے مستحق ٹھہرے۔ ان باتوں کے علاوہ ان لوگوں نے خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ معصوم خون کو حلال جان کر بہایا۔ جس مال کا انہیں لینا جائز نہیں تھا، اسے لوٹا۔ حرم محترم کی بے عزتی کی۔ مقدس مہینے کی توہین کی (یعنی ذوالحجہ میں حضرت عثمان کو شہید کیا) لوگوں کی آبرو ریزی کی۔ مسلمانوں کو بے گناہ مارا پیٹا۔ ان کے گھروں میں زبردستی داخل ہوئے۔ میں مسلمانوں کو لے کر اس لیے نکلی ہوں کہ لوگوں کو بتاؤں... ان حالات میں مسلمانوں کو کیا کیا نقصان پہنچ رہے ہیں۔ ہم اصلاح کی دعوت لے کر نکلے ہیں اور اسی کا اللہ کے رسول نے ہر چھوٹے بڑے کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا مقصد۔''

ان دونوں حضرات نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی ملاقات کی۔ پھر واپس بصرہ کے والی عثمان بن حنیف کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیا چاہتی ہیں۔ عثمان بن حنیف نے ان باتوں کا کوئی اثر نہ لیا اور اپنی فوج لے کر میدان میں آ گئے۔

اس موقعے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک بہت پر اثر تقریر کی۔

اس پر وہ اکیلے ہی میدانِ جنگ سے نکل آئے اور بصرہ کی طرف چل پڑے۔ ایک سبائی ان کے تعاقب میں لگ گیا اور جب وہ ایک جگہ رک کر نماز ادا کرنے لگے تو انہیں شہید کر دیا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ بھی بدل گیا۔ وہ بھی میدانِ جنگ سے نکل آئے۔ اس حالت میں ایک تیر ان کے پاؤں میں آ کر لگا۔ زخمی حالت میں یہ وہاں سے نکل آئے۔ اسی زخم سے آپ نے شہادت پائی۔

میدانِ جنگ میں عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں نے کئی بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن آپ کے اردگرد جو جاں نثار ساتھی تھے، وہ انہیں منہ توڑ جواب دیتے رہے۔ سبائی لوگ دراصل آپ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے، لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھی شہید تو ہوتے رہے، لیکن انھوں نے آپ کی حفاظت سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹایا۔ ان کی بہادری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی حیرت میں ڈال دیا۔ دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت پریشان بھی تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھیوں کی بہادری کی وجہ سے جنگ طول پکڑتی جا رہی تھی اور اس طرح دونوں طرف کے مسلمانوں کا نقصان ہو رہا تھا۔ گویا سبائی گروہ کی سازش کامیاب ہو رہی تھی۔

ایسے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اگر حالت یہی رہی تو نہ جانے نقصان کہاں تک پہنچ جائے، کیونکہ اس وقت حالت یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک ساتھی گرتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی نکیل پکڑ رکھی تھی۔ وہ زخمی ہوئے تو فوراً ایک اور نے پکڑ لی۔ وہ بھی زخمی ہوئے تو ایک اور نے پکڑ لی۔ اس طرح یکے بعد دیگرے ستر آدمیوں نے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ بصرے کا شاہ

معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ وہ تقریباً بیس سال تک اسلامی مملکت کے تنہا خلیفہ رہے۔ ان کی خلافت کی مدت کے اختتام سے دو سال پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر ستر سال سے کچھ زیادہ تھی۔ آپ نے 17 رمضان المبارک 58 ہجری میں چند روز بیمار رہ کر اس دار فانی سے انتقال فرمایا:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر سن کر مسلمان اپنے گھروں سے نکل آئے۔ آپ کے جنازے میں اس قدر ہجوم تھا کہ رات کے وقت اس سے پہلے کبھی اتنا ہجوم نہیں دیکھا گیا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جنازہ دیکھ کر فرمایا:

''عائشہ صدیقہ کے لیے جنت واجب ہے، کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔ اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان دنوں مدینہ طیبہ کے قائم مقام گورنر تھے، کیونکہ مروان ان دنوں عمرے کے لیے مکہ مکرمہ گیا ہوا تھا، اس لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قاسم بن محمد ابی بکر، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن عتیق، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیر یعنی آپ کے بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا۔ آپ کو آپ کی وصیت کے مطابق جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

مدینہ منورہ میں اس روز قیامت برپا تھی۔ ہر آنکھ رو رہی تھی۔ لوگوں نے مدینہ منورہ کے کسی شخص سے پوچھا:

''مدینہ کے لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا غم کتنا محسوس کیا۔''

اس نے جواب دیا:

''وہ مسلمانوں کی ماں تھیں، ماں کے مرنے پر جتنا غم ہوتا ہے، اتنا ہی مدینے کے

مسلمانوں کو فخر ہوا تھا۔

آپ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ آپ کو اس بات کا قطعی کوئی ملال نہیں تھا۔

آپ اس قدر قناعت پسند تھیں کہ صرف ایک جوڑا کپڑوں کا رکھتی تھیں۔ اس کو دھو دھو کر پہنتی تھیں۔ آپ کے دل میں اللہ کا خوف بہت زیادہ تھا۔ بہت جلد رونے لگ جاتی تھیں۔ ایک بار دجال کا ذکر سن کر رونے لگیں۔

ایک مرتبہ ایک عورت آپ کے دروازے پر آئی۔ اس کے ساتھ دو بچے تھے۔ اس نے سوال کیا۔ اس وقت گھر میں کچھ نہیں تھا۔ آپ نے تین کھجوریں اسے دے دیں۔ اس عورت نے ایک ایک کھجور اپنے بچوں کو دے دی۔ بچوں نے تیسری کھجور کی طرف دیکھا تو ماں نے اس کے بھی دو ٹکڑے کر کے دونوں بچوں کو دے دیے۔ ماں کی ممتا کا یہ منظر دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

آپ تہجد بہت باقاعدگی سے پڑھتی تھیں۔ چاشت کی نماز بھی ادا فرماتی تھیں۔ ہر سال حج کے لیے جاتی تھیں۔ آپ کو غلام آزاد کرنے کا بھی بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ چالیس غلام آزاد کیے۔ مدینہ منورہ میں بریرہ رضی اللہ عنہا نامی ایک باندی تھیں۔ ان کے آقا نے ان سے کہا کہ اگر تم اتنی رقم جمع کر دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ یہ رقم جمع کرنے کے لیے انہوں نے چندہ مانگا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات معلوم ہوئی تو پوری رقم اپنی طرف سے ادا کر کے اسے آزاد کر دیا۔

آپ پردے کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ آپ کے علم و فضل کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ہم صحابہ کو کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آئی جس کے بارے میں ہم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے بارے میں کچھ معلومات نہ ملی

ہوں۔'' (ترمذی)

مشہور تابعی حضرت عطا ابن رباح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ فقیہہ، سب سے زیادہ صاحب علم اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔'' (مستدرک حاکم)

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس امت کی تمام عورتوں کا علم جس میں تمام امہات المومنین بھی شامل ہیں، ایک جگہ جمع کیا جاتا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان سب سے زیادہ گہرائی والا ہوتا۔'' (مستدرک حاکم)

محمود ابن لبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ازواج مطہرات بہت سی احادیث زبانی یاد رکھتی تھیں، لیکن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے برابر نہیں۔'' (طبقات ابن سعد)

آپ کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''قرآن، فرائض، حلال، حرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور علم الانساب کا سیدہ عائشہ صدیقہ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں دیکھا۔''

آپ دو ہزار کے قریب احادیث کی راوی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ نے ساری زندگی دین کی نشر و اشاعت میں بسر کی۔ دینی مسائل میں آپ فتوے دیا کرتی تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ ان سے مسئلے پوچھتے تھے۔ اکثر عورتیں اپنے مسائل معلوم کرنے کے لیے آپ کے پاس آتی تھیں اور حج کے موقعے پر تو عورتیں آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ نے کسی عورت کی چادر پر صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے دیکھے۔ صلیب عیسائیوں کا نشان ہے۔ آپ نے اس عورت کو سختی سے ڈانٹا اور فرمایا:

''اس چادر کو اتار دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کپڑوں کو دیکھتے تو پھاڑ دیا کرتے تھے۔''

آپ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم دنیا اور آخرت میں میری بیوی ہو۔'' (مستدرک حاکم 10/4)

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی بیوی تھیں۔ آپ کو اپنی سبھی بیویوں سے محبت تھی لیکن جو قلبی تعلق اور محبت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تھا، وہ کسی اور بیوی سے نہیں تھا، بلکہ آپ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بیویوں ہی میں نہیں، تمام لوگوں میں بھی زیادہ محبوب تھیں۔ (مسند احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی)

جس روز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، اس روز سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''آج اس ہستی کا انتقال ہوا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔'' (مستدرک حاکم 13/4)

ایک روز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

''اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے بارے میں اذیت نہ دو۔ اللہ کی قسم! تم میں سے کسی کے بستر میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی سوائے عائشہ کے۔'' (مسند احمد 293/6)

ایک روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے حجرہ مبارک کے دروازے پر پہنچے اور ابھی اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے والے تھے کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قدرے اونچی آواز میں بات کرتے سنا۔ لیکن جب آپ اندر آئے تو حضرت عائشہ صدیقہ کو پکڑ کر بولے:

''اے ام رومان کی بیٹی! تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز سے بات کرتی ہے۔''

یہ کہہ کر آپ نے انھیں مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور آپ کے درمیان میں آگئے۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے تو آپ نے فرمایا:

''دیکھو! میں نے تمہارے اور تمہارے باپ کے درمیان میں آکر تمھیں کیسے بچایا۔'' (نسائی، ابوداؤد، مسند احمد)

ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''آؤ عائشہ! دوڑ لگائیں۔''

سیدہ آپ کے ساتھ دوڑ پڑیں اور آپ سے آگے نکل گئیں۔ کچھ مدت بعد ایک اور موقعے پر آپ نے انھیں دوڑنے کی دعوت دی۔ سیدہ آپ کے ساتھ دوڑ پڑیں، لیکن اس مرتبہ آپ آگے نکل گئے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''عائشہ! یہ اس روز کی دوڑ کا جواب ہے۔'' (ابوداؤد حدیث نمبر 2578)

ایک سفر میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بدک گیا اور وہ انھیں لے کر ایک طرف کو بھاگ نکلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر بے قرار ہوئے کہ آپ کے منہ سے نکل گیا۔

''عروساہ'' یعنی ہائے میری دلہن۔

ایک مرتبہ کچھ حبشی لوگ کھیل تماشہ دکھا رہے تھے۔ بہت سے مرد اور بچے ان کا کھیل دیکھ رہے تھے۔ آپ نے سیدہ سے فرمایا:

''اے عائشہ! کیا تم بھی یہ کھیل دیکھنا چاہتی ہو۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا

"جی ہاں!"

چنانچہ آپ نے انہیں اپنے کندھے کی اوٹ سے وہ کھیل دکھایا۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا چہرہ آپ کے کندھے پر ٹکا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"عائشہ! تم نے دیکھ لیا۔"

اس پر سیدہ بولیں:

"اے اللہ کے رسول! جلدی نہ کریں، میں ابھی اور دیکھنا چاہتی ہوں۔"

جب تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سیر نہیں ہو گئیں، اس وقت تک آپ انہیں کھیل دکھاتے رہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اور انھوں نے سیدہ کو سلام کیا۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا

"اے عائشہ! جبرئیل امین تمہیں سلام کہتے ہیں۔"

سیدہ فرماتی ہیں کہ میں نے جواب میں کہا:

"وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو علم طب میں بھی مہارت حاصل تھی۔ کسی نے آپ سے پوچھا:

"آپ علم فقہ میں ماہر ہیں، اس کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، اس لیے فقہ میں ماہر

ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ آپ اشعار کہتی ہیں تو یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ آپ ابوبکر کی بیٹی ہیں، اشعار کہہ سکتی ہیں۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ آپ علم طب میں کیسے ماہر ہیں۔ مجھے اس پر حیرت ہے۔"

اس پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"آخری عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار رہنے لگے تو عرب اور عجم کے حکیم حضرات آیا کرتے تھے۔ جو وہ بتاتے، میں اسے یاد کر لیتی تھی۔"

اور سب سے بڑی خصوصیت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بے گناہی کے ثبوت میں قرآن کریم کی آیات نازل فرمائیں:

اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام سودہ رضی اللہ عنہا تھا۔ آپ قبیلہ عامر بن لوی سے تھیں۔ جو قریش کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ والد کا نام زمعہ بن قیس تھا۔ آپ کی والدہ کا نام شموس بنت قیس تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آپ کا نکاح سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ سکران آپ کے باپ کے چچازاد بھائی تھے۔

آپ اسلام کے ابتدائی دنوں میں ہی مسلمان ہوئی تھیں۔ آپ کے شوہر نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ حبشہ کی طرف کی گئی ہجرت کے وقت تک دونوں میاں بیوی مکہ مکرمہ ہی میں رہے اور کفار کی سختیاں برداشت کرتے رہے۔ جب مشرکین کے ظلم انتہا کو پہنچ گئے تو مہاجرین کی ایک بہت بڑی تعداد حبشہ کی طرف ہجرت کے لیے روانہ ہوئی۔ ان کے ساتھ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند سکران رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی۔ کئی برس بعد جب یہ واپس لوٹے تو سکران رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ میں انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ ایک روایت کے مطابق سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت غمگین رہتے تھے۔ کیونکہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی بہت غم خوار تھیں۔ آپ کو اس قدر غمزدہ دیکھ کر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے آپ

سے عرض کیا

"اے اللہ کے رسول! آپ کو ایک ہمدرد ساتھی کی ضرورت ہے؟"

جواب میں آپ نے فرمایا "ہاں!"

آپ کی مرضی معلوم کر کے خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں۔ انھوں نے وہاں جا کر ان سے کہا:

"اللہ تعالیٰ نے آپ پر خیر و برکت کے دروازے کھول دیے ہیں۔"

انھوں نے پوچھا: "وہ کیسے؟"

خولہ رضی اللہ عنہا بولیں: "مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی طرف بھیجا ہے، تاکہ میں آپ کی طرف سے شادی کا پیغام دوں۔"

یہ سنتے ہی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "مجھے منظور ہے، لیکن آپ میرے والد سے پوچھ لیں۔"

اب خولہ رضی اللہ عنہا ان کے والد کے پاس گئیں۔ وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ انھیں سلام کیا تو وہ بولے:

"کون ہے؟"

انھوں نے اپنا نام بتایا تو وہ بولے: "خوش آمدید! کیسے آئی ہو؟"

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "محمد صلی اللہ علیہ نے آپ کی بیٹی کے لیے شادی کا پیغام دیا ہے۔"

یہ سن کر بوڑھے باپ نے کہا: "ہاں! محمد بہت کریم ہیں، تمہاری سہیلی کیا کہتی ہے۔"

خولہ بولیں: "انھیں یہ رشتہ منظور ہے۔"

باپ نے کہا: "تب پھر مجھے بھی منظور ہے۔"

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے مسجد کے ساتھ حجرہ تیار ہوا تو وہ منتقل ہو گئیں۔

10 ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا تو آپ کے ساتھ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ آپ بڑی عمر کی تھیں۔ تیز نہیں چل سکتی تھیں۔ اس لیے آپ نے اجازت مانگی کہ مزدلفہ سے پہلے روانہ ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ اس طرح آپ رضی اللہ عنہا لوگوں سے پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

ایک روز ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھی تھیں۔ آپ سے پوچھا گیا:

"اللہ کے رسول! ہم میں سے پہلے کون فوت ہوگا؟"

آپ نے جواب میں فرمایا: "جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے۔"

انہوں نے اس کا ظاہری مطلب لیا اور آپس میں ہاتھ ناپنے لگیں۔ سب سے بڑا اور لمبا ہاتھ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا تھا لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو اس وقت معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ کا مطلب تھا کہ جو سب سے زیادہ سخی ہے، اس کا انتقال سب سے پہلے ہوگا۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے 22 ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر حضرت سکران رضی اللہ عنہ سے ایک بیٹا پیدا ہوا تھا۔ ان کا نام عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تھا۔ انہوں نے جنگ جلولاء میں شہادت پائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

احادیث کی کتابوں میں آپ سے صرف پانچ احادیث روایت کی گئی ہیں۔ آپ

بلند اخلاق تھیں۔ اطاعت اور فرماں برداری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اس فرمان پر اس قدر سختی سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لیے بھی نہیں گئیں۔ فرمایا کرتی تھیں:

"میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔"

آپ بہت سخی تھیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعد آپ باقی ازواج سے زیادہ سخی تھیں۔ مال اور دولت سے انھیں بالکل محبت نہیں تھی۔ جو آتا، اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں درہموں سے بھری ایک تھیلی بھیجی۔ آپ نے تھیلی لانے والے سے پوچھا "اس میں کیا ہے؟"

اس نے بتایا کہ درہم ہیں۔ آپ نے وہ تمام درہم اسی وقت تقسیم کر دیے۔

آپ کی طبیعت میں مزاح بھی تھا۔ کبھی کبھی آپ کی باتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا پڑتے۔ ایک روز کہنے لگیں:

"کل رات میں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ آپ نے اس قدر دیر تک رکوع کیا کہ مجھے نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا۔ میں دیر تک ناک پکڑے رہی۔"

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔

آپ ذرا عمر رسیدہ ہو گئیں تو آپ کو خوف محسوس ہوا کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں طلاق نہ دے دیں۔ اس خوف کی وجہ سے آپ نے عرض کیا:

"اللہ کے رسول! آپ مجھے طلاق نہ دیں۔ میں اپنی باری عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نبوت کے اعلان سے 5 سال پہلے پیدا ہوئیں۔ آپ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا۔ یہ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ خود بھی صحابیہ تھیں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بڑی بہن ہیں۔

آپ جوان ہوئیں تو آپ کا پہلا نکاح خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ دونوں نے اچھے میاں بیوی کی طرح زندگی بسر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہیں۔ اسی طرح سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بھی ماں باپ کے ساتھ ہی مسلمان ہوگئی تھیں۔ آپ کے شوہر خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان تھے۔ مطلب یہ کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ہوش سنبھالا۔ اس وقت اسلام کا نور پھیلنے لگا تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے حکم ملنے پر ہجرت شروع کی۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے شوہر نے بھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

مدینہ منورہ میں ان کی زندگی خوش گوار گزر رہی تھی کہ 2 ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا۔

بھی ہے۔

نکاح کے بعد حفصہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہنے لگیں۔ آپ کی ازدواجی زندگی بہت خوش گوار تھی۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں، اس لیے مزاج میں قدرے تیزی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار انھیں رجعی طلاق (ایک قسم کی ہلکی طلاق) دے دی، لیکن دوسرے ہی دن جبریئل علیہ السلام آ گئے۔ انھوں نے اللہ کا یہ پیغام آپ کو پہنچایا۔

"اے اللہ کے رسول! عمر پر شفقت فرماتے ہوئے حفصہ کو اپنے نکاح ہی میں رکھیں۔ یہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی ہیں، راتوں کو بہت نماز پڑھنے والی ہیں اور یہ جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوں گی۔"

چنانچہ اللہ کے حکم کے مطابق آپ نے طلاق واپس لے لی۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا اتنا مرتبہ تھا۔

آپ نے شعبان 45 ہجری میں وفات پائی۔ وہ زمانہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا۔ گورنر مدینہ مروان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے دو صاحب زادوں عاصم رحمہ اللہ، سالم رحمہ اللہ، عبداللہ رحمہ اللہ اور حمزہ رحمہ اللہ نے آپ کو قبر میں اتارا۔

بعض روایات میں وفات 41 ہجری میں بھی آئی ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 63 سال کے قریب تھی۔

وفات کے وقت آپ نے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر وصیت فرمائی۔ اس وصیت میں آپ نے اپنی زمین صدقہ کر دی۔ یہ زمین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نگرانی میں دی تھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام ہند تھا۔ ام سلمہ آپ کی کنیت ہے۔ آپ کا تعلق قریش کے خاندان بنو مخزوم سے تھا۔

آپ کے والد ابو امیہ مکہ مکرمہ کے بہت بڑے سخی آدمی تھے۔ تاجر تھے اور بہت دولت مند تھے۔ اس لحاظ سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بہت خوش حال گھرانے میں پرورش پائی تھی۔

آپ کا پہلا نکاح عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا۔ وہ ابو سلمہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ ان کی والدہ کا نام برہ بنت عبدالمطلب تھا۔ اس لحاظ سے وہ رشتے میں آپ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے آپ کے ہاں چار بچے پیدا ہوئے۔

آپ اسلام کی ابتدا ہی میں اپنے شوہر کے ساتھ اسلام لے آئی تھیں۔ گویا دونوں میاں بیوی سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں شامل ہیں۔ دونوں نے حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں۔ بلکہ ان دونوں نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ کچھ عرصہ حبشہ میں گزار کر دونوں میاں بیوی واپس مکہ آ گئے۔ وہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ جب حبشہ سے مکہ پہنچے تو قریش مکہ نے آپ پر ظلم شروع کر دیا۔ ان کے ظلم سے تنگ آ کر آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ مدینہ پہنچے تو وہ محرم کی دس تاریخ تھی۔ عمرو بن عوف کے خاندان نے انھیں اپنا مہمان بنایا۔ ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت نہیں کر سکی تھیں۔ انھوں نے بعد میں ہجرت کی۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

ابو سلمہ اپنی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو لے کر مکہ معظمہ سے نکلے تا کہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر سکیں لیکن ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر والے ان کے راستے میں آ گئے اور بولے:

''تم اکیلے مدینہ منورہ جا سکتے ہو، ہماری بیٹی کو ساتھ نہیں لے جا سکتے۔''

یہ لوگ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو زبردستی واپس لے گئے۔ اس طرح ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے اکیلے ہجرت کی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں اس وقت ان کا دودھ پیتا بچہ سلمہ تھا۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر والے اپنے بچے کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے چھین کر لے گئے۔ اب ایک طرف وہ شوہر سے جدا کر دی گئیں تو دوسری طرف اپنے بچے سے محروم کر دی گئیں۔ ان پر تو گویا مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ گھر سے باہر صحرا میں نکل جاتیں اور رویا کرتیں۔ کئی دن روتی رہیں، پھر ایک شخص کو ان پر ترس آیا۔ اس نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہا:

''تم اس غریب پر کیوں ظلم کرتے ہو۔ اس کا بچہ اسے دے دو اور اسے مدینہ اپنے شوہر کے پاس جانے دو۔''

آخر سب لوگوں نے یہ بات مان لی۔ اب یہ اپنے بچے کو لے کر اونٹ پر سوار ہوئیں اور مدینہ کی طرف چل پڑیں۔ ساتھ کوئی مرد نہیں تھا۔ بالکل تنہا تھیں۔ تنعیم کے مقام پر پہنچیں تو انھیں حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ملے۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے

تھے۔ خانہ کعبہ کے چابی بردار تھے۔ انھوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا، کیونکہ ان کے خاوند ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ انھوں نے پوچھا: ”کہاں کا ارادہ ہے؟“

ام سلمہ بولیں: ”مدینہ منورہ کا۔“

انھوں نے پوچھا: ”کوئی ساتھ ہے؟“

انھوں نے جواب دیا: ”اللہ ساتھ ہے یا یہ بچہ۔“

اس پر حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”یہ نہیں ہوسکتا، تم تنہا نہیں جا سکتیں۔“

یہ کہہ کر اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا یوں کہتی ہیں کہ راستے میں جہاں رفع حاجت وغیرہ کے لیے ٹھہرنا پڑتا تو عثمان اونٹ کو بٹھا کر دور کسی درخت کی اوٹ میں چلے جاتے۔ جب میں نیچے اترتی۔ روانگی کا وقت ہوتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر پھر دور پیچھے جاتے اور مجھ سے کہتے: ”سوار ہو جاؤ۔“

آپ فرماتی ہیں: ”میں نے پوری زندگی میں اتنا شریف انسان نہیں دیکھا۔“

مختصر یہ کہ مختلف منزلوں پر قیام کرتے ہم مدینہ پہنچے۔ جب قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو بولے:

”اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔ وہ یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔“

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ادھر روانہ ہو گئیں اور سیدنا عثمان مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قبا کے لوگوں نے جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو ان سے پوچھا: ”آپ کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں۔“

اس پر انھوں نے بتایا: ”میں ام سلمہ ہوں ابو امیہ کی بیٹی۔“

ابی امیہ چونکہ بہت مشہور آدمی تھے۔ بہت دولت مند تھے۔ بہت سخی تھے۔ اس لیے لوگوں کو یقین نہ آیا کہ اتنے بڑے باپ کی بیٹی یوں اکیلی سفر کر کے مکہ سے مدینہ آئی ہیں۔ اس زمانے میں شرفاء کی خواتین اس طرح باہر نہیں نکلا کرتی تھیں۔ بڑے لوگ سفر میں کسی کو ساتھ ضرور بھیجا کرتے تھے اور اس کا تمام خرچ بھی ادا کرتے تھے۔ جب کہ سیدہ ام سلمہ تنہا آئی تھیں۔ اسی لیے لوگ حیران تھے۔ کافی دن بعد انھیں یقین آیا اور جب سب کو معلوم ہو گیا کہ یہ کس کی بیٹی ہیں تو لوگ انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔

اب دونوں میاں بیوی اپنے بچے کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کرنے لگے۔ 2 ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے اس غزوے میں بھرپور حصہ لیا۔ پھر 3 ہجری میں غزوہ احد پیش آیا۔ اس غزوے میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے بازو میں ایک تیر لگا۔ اس سے آپ ایک ماہ زیر علاج رہے۔ ایک ماہ بعد زخم ظاہر میں بھر گیا، لیکن اس کا زہر اندر پھیلتا چلا گیا۔

انھی دنوں انھیں ایک مہم پر بھیجا گیا۔ مسلمانوں کے خلاف کچھ لوگ قطن پہاڑ کے آس پاس جمع ہو رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اطلاع پا کر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو آدمی دے کر روانہ فرمایا۔ آپ نے انھیں حکم دیا:

''روانہ ہو جاؤ، یہاں تک کہ بنو اسد کی سرزمین میں پہنچ کر ان کا شیرازہ بکھیر دو، اس سے پہلے کہ وہ وہاں جمع ہو کر ایک طاقت بن جائیں۔''

سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اس مہم سے کامیاب لوٹے۔ آپ نے نہ صرف دشمن کو منتشر کر دیا، بلکہ ان کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں بڑی تعداد میں ان سے چھین لائے۔ اس مہم کے سلسلے میں آپ 39 دن مدینہ طیبہ سے باہر رہے۔ جب آپ واپس آئے تو پرانا زخم پھر سے ہرا ہو گیا اور آخر ایک ماہ بیمار رہ کر آپ انتقال کر گئے۔ جب آپ پر نزع کی حالت

طاری تھی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخل ہوئے، اُدھر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی روح پرواز کر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر دیں اور فرمایا:

''انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی دونوں آنکھیں اسے دیکھنے کے لیے کھلی رہ جاتی ہیں۔''

اس وقت سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنھا نے یہ الفاظ کہے: ''ہائے! پردیس میں کیسی موت آئی۔''

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صبر کرو، ان کی مغفرت کی دعا مانگو اور کہو، اے اللہ ان سے بہتر عطا کر۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا، آپ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر آئے۔ آپ نے قبول فرمایا۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں:

''میں سوچا کرتی تھی کہ بھلا ابو سلمہ سے بہتر کون شوہر ہو سکتا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیغام ملا تو اس وقت میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بہتر شوہر عطا فرمایا ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امِ سلمہ رضی اللہ عنھا کا نکاح شوال 4 ہجری کی آخری تاریخوں میں ہوا۔ سیدہ امِ سلمہ سرکارِ دو عالم کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ آپ

ہو گیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج محسوس ہوا اور آپ اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔ وہاں ام سلمہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ان سے فرمائی۔ اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"مسلمانوں کو یہ صلح بہت ناگوار گزری ہے۔ اس لیے وہ بہت رنجیدہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ آپ کسی سے کچھ نہ کہیں اور باہر نکل کر قربانی کر کے سر منڈوا لیں۔ یہ سب خود بخود آپ کی پیروی کریں گے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مشورے پر عمل کیا۔ جونہی آپ نے قربانی کی، سب نے قربانی شروع کر دی اور سر منڈوا کر احرام اتار دیے۔ اس وقت ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا۔ ایک دوسرے کی حجامت بنانے کی خدمت سرانجام دے رہے تھے۔ (بخاری)

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہت بہترین مشورہ دینے والی تھیں۔ ساتھ ہی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی فطرت کا اندازہ لگانے میں بھی انھیں کمال حاصل تھا۔

آپ غزوہ خیبر میں بھی شریک تھیں۔ خیبر کے قلعے کے سردار مرحب کے دانتوں پر جب تلوار لگی تو آپ رضی اللہ عنہا نے اس کی آواز سنی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا برابر آپ سے ملنے کے لیے آتی رہیں۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ ناساز ہوئی تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس صدمے سے چیخ پڑیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"یہ مسلمانوں کا طریقہ نہیں۔"

ایک روز مرض میں زیادہ شدت پیدا ہوگئی۔ ازواج مطہرات نے دوا پلانے کی

کوشش کی۔ آپ اس وقت دوا پینا نہیں چاہتے تھے۔ لہذا پینے سے انکار کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ پر غشی کی حالت طاری ہوگئی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے غشی کی حالت میں دوا آپ کے منہ میں ڈالی۔

بیماری کے انہی دنوں میں ایک دن سیدہ ام سلمہ اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے حبشہ کے گرجوں میں تصاویر کا ذکر کیا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حبشہ سے ہو کر آئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر سن کر فرمایا:

''اللہ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے، ان لوگوں میں جب کوئی مر جاتا ہے تو وہ اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیا کرتے تھے اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کر دیتے تھے۔ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔'' (بخاری)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال 59 ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا۔ ایک روایت کے مطابق (61) ہجری میں یزید کے زمانے میں ہوا۔ وفات کے وقت سیدہ کی عمر 84 سال تھی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

آپ کے ہاں پہلے شوہر سے جو اولاد ہوئی، ان کے نام سلمہ، عمر، درہ اور زینب ہیں۔ سلمہ سب سے بڑے تھے۔ ان سب کی پرورش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

آپ رضی اللہ عنہا بہت عالمہ فاضلہ تھیں۔ آپ سے بہت سی احادیث روایت ہیں۔ صحابہ کرام ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ بہت سے تابعین نے بھی آپ سے علم حاصل کیا۔ آپ قرآن بہت اچھا پڑھتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجے میں پڑھا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قرات کیا کرتے تھے؟''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"ایک ایک آیت الگ الگ کر کے پڑھتے تھے۔"

پھر خود اسی طرح پڑھ کر سنایا۔

حدیث میں بھی آپ کا خاص مقام تھا۔ آپ سے 387 احادیث روایت کی گئی ہیں۔ آپ کو احادیث سننے کا بہت شوق تھا۔ ایک روز بال گندھوا رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے منبر پر تشریف لے آئے۔ آپ کی زبان مبارک سے ابھی صرف اتنا نکلا تھا:

"اے لوگو!"

اسی وقت آپ رضی اللہ عنہا نے بال گوندھنے والی سے فرمایا:

"بال باندھ دو۔"

اس نے کہا "اتنی کیا جلدی ہے؟"

آپ نے فرمایا "کیا ہم لوگوں میں شامل نہیں۔"

اس کے بعد خود ہی باندھ کر کھڑی ہو گئیں اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا۔

آپ رضی اللہ عنہا ہر وقت اجر و ثواب کی تلاش میں رہتی تھیں۔ ہر ماہ تین روزے رکھتی تھیں۔ ایک روز آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"اللہ کے رسول! ابو سلمہ سے میرے جو بچے ہیں، میں ان پر خرچ کرتی ہوں اور ان کی اچھے طریقے سے پرورش کرتی ہوں، کیا مجھے ان کی پرورش پر ثواب ملے گا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہاں! جو کچھ تو ان پر خرچ کرے گی، تجھے اس کا اجر ملے گا۔"

ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تھے۔ آپ

نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ایک جانب پر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دوسری جانب پر اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو درمیان میں بٹھایا ہوا تھا۔ ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے گھر والو! تم پر اللہ کی خاص رحمت اور برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ بے شک اللہ تعریف کے لائق اور بڑی شان والا ہے۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر رو پڑیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا بات ہے، تم کیوں رو پڑی ہیں؟''

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آپ نے ان کے لیے یہ الفاظ فرمائے، مجھے اور میری بیٹی کو چھوڑ دیا۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم اور تمہاری بیٹی دونوں اہل بیت میں سے ہو۔'' (المعجم الکبیر 281/24)

ایک روز ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی۔ سجدے کی جگہ غبار آلود تھی۔ وہ اپنی پیشانی سے گرد جھاڑنے لگے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا:

''ایسا نہ کرو، یہ فعل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف ہے۔''

مطلب یہ تھا کہ ہاتھوں کو حرکت نہ دو۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔

آپ رضی اللہ عنہا بہت فیاض تھیں۔ ایک روز چند حاجت مند آپ کے گھر آئے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ انھوں نے گڑگڑا کر سوال کیا۔ اس وقت وہاں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ آپ نے ان فقرا کو ڈانٹا۔ اس پر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''ہمیں اس کا حکم نہیں۔''

پھر خادمہ سے فرمایا: "انھیں کچھ دے کر رخصت کرو۔ گھر میں کچھ نہ ہو تو ایک دو چھوہارے ہی دے کر رخصت کرو۔"

آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بال تبرک کے طور پر رکھ لیے تھے۔ لوگوں کو ان کی زیارت کرواتی رہتی تھیں۔ (مسند احمد 301/6)

ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنھا کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ ایسے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک صحابی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آئے۔ وہ آپ سے باتیں کرتے رہے۔ جب وہ چلے گئے تو آپ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنھا سے پوچھا:

"جانتی ہو! یہ کون تھے۔"

ام سلمہ رضی اللہ عنھا نے جواب دیا:

"یہ دحیہ تھے۔" یعنی ان صحابی کا نام لیا، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے اس واقعے کا ذکر کیا تب انھیں پتا چلا، وہ حضرت جبرئیل تھے۔ مطلب یہ آپ کے گھر بھی جبرئیل امین آئے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بہت محبت تھی۔ اللہ کی آپ پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

آپ کا نام زینب تھا۔ والد کا نام جحش بن رئاب اور والدہ کا نام امیمہ تھا۔ سیدہ امیمہ عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ اس لحاظ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپ کا پہلا نام برہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کر کے زینب رکھا تھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کا آپس میں اتفاق نہ ہو سکا۔ اس لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ عدت پوری ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس پیغام کے جواب میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا

”میں اس بارے میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی جب تک کہ میں اپنے پروردگار سے مشورہ نہ کر لوں۔“

اس جملے کا مطلب یہ تھا کہ جب تک میں استخارہ نہ کر لوں، کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر کر دیا۔ آسمان پر نکاح کر دیے جانے کی اطلاع وحی کے ذریعے دی گئی اور آیت نازل ہوئی۔

واله بلاکر مخصوص کیا اور ان کے الفاظ بھی وہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”آپ فلاں فلاں کو بلالاؤ اور جو آدمی بھی راستے میں مل جائے اسے بھی بلا لو۔“ آپ نے کچھ لوگوں کے نام بھی لیے، چنانچہ میں نے ویسا ہی کیا جیسا کہ آپ نے حکم فرمایا تھا۔ اس طرح سب لوگ آ گئے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ وہ تقریباً 300 آدمی تھے۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”انس! وہ طشت اٹھا لاؤ۔“

جب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لے آئے تو آپ نے فرمایا:

”دس دس آدمیوں کا حلقہ بنالو اور سب اپنے آگے سے کھاؤ۔“

ان حضرات نے ہدایت کے مطابق کھانا شروع کیا۔ سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔ جب سب کھا کر فارغ ہو گئے تو طشت میں کھانا اسی طرح موجود تھا، بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”جب سب کھا چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:“

”اے انس! اب اس طشت کو اٹھا لو۔“

جب میں نے طشت کو اٹھایا تو میں اندازہ نہ لگا سکا کہ جب میں نے اس طشت کو سب کے سامنے رکھا تھا اس وقت اس میں کھانا زیادہ تھا یا جس وقت اٹھایا اس وقت زیادہ تھا۔

اسی دعوت ولیمہ میں آیت حجاب یعنی پردے کی آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہوگئی۔ یہ واقعہ ذی قعدہ 5 ہجری کا ہے۔ اس وقت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی عمر 35 سال تھی۔

اس نکاح کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور نکاح کی

نہیں ہیں۔

ایک یہ کہ عرب میں منہ بولا بیٹا اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ یہ بات ختم ہوئی۔ کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے نکاح کیا تو مشرکین نے باتیں بنانا شروع کیں کہ دیکھو مسلمانوں کے رسول نے تو اپنے بیٹے زید کی طلاق یافتہ بیوی سے نکاح کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں کی مہر (یعنی نبوت کے سلسلے کو ختم کر دینے والے) ہیں اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (سورۃ الاحزاب ۔40)

اس حکم سے اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کی طرح نہیں۔ نہ اس حکم میں شامل ہے کہ بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام ہے۔

اس نکاح کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آقا اور غلام کے درمیان صدیوں سے حائل معاشرتی فاصلے کم ہو گئے، کیونکہ اس سے پہلے لوگ اپنے غلام کی مطلقہ بیوی سے نکاح برا سمجھتے تھے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس نکاح کے موقع پر پردے کا حکم نازل ہوا۔ نمبر چار یہ کہ نکاح کے بارے میں وحی نازل ہوئی اور پانچویں بڑی خصوصیت یہ نکاح آسمانوں پہ ہوا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا دوسری ازواج سے اسی بنیاد پر فخر کیا کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کے بارے میں فرماتی ہیں

"زینب بنت جحش مرتبے میں میرا مقابلہ کرتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ میری ہم پلہ تھیں۔ میں نے ان سے زیادہ کسی عورت کو دین دار، اللہ سے ڈرنے والی، سب سے زیادہ سچی بولنے والی، سب سے زیادہ صدقہ کرنے والی، سب سے

زیادہ صدقہ اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھی اور ان سے زیادہ محنت کر کے صدقہ کرنے والی اور اللہ جل شانہ کا قرب حاصل کرنے والی عورت نہیں دیکھی۔" (مسلم، اسد الغابہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا ان صفات کی وجہ سے بہت لحاظ کرتے تھے۔ آپ کی خاطر داری فرماتے تھے۔

اپنا کفن بھی اپنی زندگی ہی میں تیار کر لیا تھا۔ چنانچہ جب آپ کے انتقال کا وقت آیا تو فرمایا

"میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ غالباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی میرے لیے کفن بھیجیں گے۔ ایک کفن کام میں لے آنا دوسرا صدقہ کر دینا۔"

اور یہی ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے خوشبودار کفن بھیجا۔ آپ کو وہی کفن دیا گیا اور جو کفن انھوں نے خود تیار کر رکھا تھا اسے صدقہ کر دیا گیا۔ (طبقات 115/8)

آپ کا انتقال 20 ہجری میں ہوا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر 53 سال تھی۔ وہ زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا۔ اس لیے نماز جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ حضرت اسامہ بن زید، حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش اور حضرت عبداللہ بن ابی احمد بن جحش رضی اللہ عنہم نے آپ کو قبر میں اتارا۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ (بخاری)

آپ کی وفات پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"افسوس! آج ایسی عورت گزر گئی جو بہت پسندیدہ اوصاف والی عبادت گزار اور یتیموں اور بیواؤں کی غم خوار تھی۔"

انتقال کے وقت آپ نے ایک مکان چھوڑا تھا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانے میں 50 ہزار درہم میں خرید کر اسے مسجد نبوی میں شامل کر دیا۔ (بخاری)

آپ سے 11 احادیث روایت کی گئی ہیں۔ آپ بہت عبادت گزار تھیں۔ تہجد گزار اور بہت روزے رکھنے والی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں بہت سا مال بھیجا۔ آپ نے اس مال کو گھر کے صحن میں ڈھیر کرنے کا حکم دیا اور خادمہ برزہ بنت رافع رضی اللہ عنھا سے فرمایا:

''اس مال پر ایک کپڑا ڈال دو، اور اس کے نیچے ہاتھ لے جا کر جتنا مال ہاتھ میں آتا ہے، وہ فلاں فلاں اور فلاں کو دے آؤ۔ فلاں یتیم کو دے آؤ اور فلاں بیوہ کو دے آؤ۔''

اس طرح یہ مال برابر تقسیم ہوتا رہا۔ آخر جب کپڑے کے نیچے بہت تھوڑا سا مال رہ گیا تو برزہ بنت رافع رضی اللہ عنھا نے کہا:

''اے ام المومنین! اس مال میں آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔''

آپ نے ان سے فرمایا:

''اچھا! جو بچ رہا ہے، وہ تم لے لو۔''

برزہ رضی اللہ عنھا نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو صرف 85 درہم باقی تھے۔ سارا مال تقسیم ہونے کے بعد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنھا نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

''اے اللہ! اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھے نہ پائے، یہ مال بہت بڑا فتنہ ہے۔''

(الاصابہ)

چنانچہ سال گزرنے نہیں پایا تھا کہ آپ انتقال کر گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔ آمین۔

یہ لشکر 2 شعبان 5 ہجری کو روانہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے اچانک دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ اس وقت وہ لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے، حملے کی تاب نہ لا سکے۔ ان کے دس مرد قتل ہوئے، باقی مرد، عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے گئے۔ مال اور اسباب لوٹ لیا گیا۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ دو سو گھرانے قید ہوئے۔ انہی قیدیوں میں سردار حارث کی بیٹی برہ بھی تھیں۔ یعنی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا۔

جب مال غنیمت تقسیم کیا گیا تو سیدہ جویریہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں۔ آپ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"آپ مجھ سے مکاتبت کر لیں۔"

مطلب یہ کہ کوئی رقم طے کر لیں۔ میں وہ ادا کر دوں تو مجھے آزاد کر دیں۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے 4 اوقیہ سونے پر مکاتبت کر لی۔ آپ کے پاس اتنا سونا نہیں تھا۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول! آپ کو معلوم ہے، میں سردار بنی مصطلق کی بیٹی برہ ہوں۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں قیدی ہوں۔ تقسیم کے مطابق میں ثابت بن قیس کے حصے میں آئی ہوں۔ میں نے ان سے مکاتبت طے کر لی ہے، اس سلسلے میں میں آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں۔ لوگوں سے کہیں میرے لیے چندہ جمع کر دیں۔"

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم پسند کرو تو میں تمہیں اس سے بہتر بات بتا دوں اور وہ یہ کہ تمہاری طرف سے مکاتبت میں ادا کر دوں اور تمہیں آزاد کر کے تم سے نکاح کر لوں۔"

یہ سن کر سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔

"اللہ کے رسول! مجھے یہ بات منظور ہے۔"

اس بات کے طے ہونے کے بعد سیدہ کا باپ حارث بھی ان کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا:

"میں قبیلہ بنی مصطلق کا سردار ہوں۔ اس لیے میری بیٹی کنیز بن کر نہیں رہ سکتی۔ آپ اسے آزاد فرما دیں۔"

آپ نے جواب میں فرمایا:

"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میں اس کا فیصلہ تمہاری بیٹی پر چھوڑ دوں۔ تم جا کر اس سے خود پوچھو۔"

حارث، سیدہ جویریہ کے پاس آئے اور یہ بات آپ کو بتائی۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔"

حارث بیٹی کو چھڑانے کے لیے بہت سے اونٹ ساتھ لائے تھے، لیکن مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے انھوں نے ان میں سے دو خوب صورت اور عمدہ اونٹ ایک گھاٹی میں چھپا دیے تھے، تاکہ واپسی پر وہ ساتھ لے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اونٹوں کے لانے کا ذکر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"ان میں وہ اونٹ فلاں گھاٹی میں چھپا آئے ہو۔"

یہ سنتے ہی حارث پکار اٹھا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، میرے وہ دو اونٹ چھپانے کا کسی کو علم نہیں تھا۔ اللہ ہی نے آپ کو اطلاع دی ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے 4 اوقیہ سونا حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو دے کر سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کرایا اور آپ سے نکاح کر لیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کیونکہ اب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار بن چکے تھے۔ اس طرح ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے بنی مصطلق کے گھرانے آزاد ہوئے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:

"میں نے جویریہ سے زیادہ کسی عورت کو اپنے خاندان کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا جن کی وجہ سے ایک دن میں اتنے گھرانے آزاد ہوئے ہوں۔"

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حملہ آور ہونے سے تین رات پہلے میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ چاند یثرب سے چلا آرہا ہے اور آکر میری گود میں گر گیا ہے۔ میں نے یہ بات کسی کو بتانا پسند نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ جب ہم قیدی بن گئے تو اس وقت مجھے اس خواب کے پورا ہونے کی امید ہو چکی تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آزاد کر کے اپنی زوج مطہرات میں شامل کر لیا۔

آپ کا انتقال ربیع الاول 50 ہجری میں ہوا۔ ایک روایت 56 ہجری کی بھی ہے۔ مدینہ منورہ کے گورنر مروان بن حکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر 65 سال تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق آپ کی عمر 70 سال تھی۔ جس وقت آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں، اس وقت عمر 20 سال تھی۔

آپ سے صرف چند احادیث روایت کی گئی ہیں۔ آپ نے بہت زاہدانہ زندگی گزاری۔ بہت عبادت گزار تھیں۔ ایک صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مصلے پر چھوڑ کر گئے۔ دوپہر کے قریب واپس تشریف لائے تو آپ اسی طرح بیٹھی نظر آئیں۔

سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا

آپ کا نام رملہ تھا۔ آپ کے والد کا نام ابی سفیان بن حرب اور والدہ کا نام صفیہ بنت ابی عاص تھا۔ یہ صفیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔

بعض مورخوں نے آپ کا نام ہند بھی لکھا ہے۔ آپ نبوت سے 17 سال پہلے پیدا ہوئیں۔

آپ کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا۔ یہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا جو غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ سیدہ ام حبیبہ اسلام کی ابتدا ہی میں مسلمان ہوگئی تھیں۔ اسی طرح آپ کا خاوند عبیداللہ بن جحش بھی مسلمان ہوگیا تھا۔ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کرنے والوں میں یہ میاں بیوی بھی شامل تھے۔ حبشہ میں ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام حبیبہ رکھا گیا۔ اسی نسبت سے آپ ام حبیبہ کہلائیں۔ یعنی یہ آپ کی کنیت تھی۔ آپ کا خاوند عبیداللہ کچھ دنوں بعد مرتد ہوگیا۔ اس نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ ام حبیبہ برابر اسلام پر قائم رہیں۔

سیدہ ام حبیبہ فرماتی ہیں:

”عبیداللہ کے عیسائی ہونے سے پہلے میں نے خواب میں اسے نہایت بری بھیانک شکل میں دیکھا۔ میں بہت گھبرائی۔ صبح ہوئی تو پتا چلا، وہ عیسائی ہو چکا ہے۔ میں نے اس امید پر اسے یہ خواب سنایا کہ شاید وہ توبہ کر لے۔ لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ یہاں تک کہ

اسی حالت میں مر گیا۔ چند روز بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھے یا ام المومنین کہہ کر آواز دے رہا ہے۔ میں بہت گھبرائی، پھر جب میری عدت ختم ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ نجاشی شاہ حبشہ کے قاصد کے ذریعے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا پیغام ملا۔ (طبقات ابن سعد 97/8)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ نجاشی کو جو پیغام بھیجا اس کے الفاظ یہ تھے

"ام حبیبہ مجھ سے نکاح کرنا چاہتی ہیں تو تم ان کا نکاح پڑھوا کر انہیں میرے پاس بھیج دو۔"

یہ پیغام ملتے ہی نجاشی نے اپنی باندی ابرہہ کو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور آپ کو پیغام دیا۔ آپ یہ پیغام سن کر بہت خوش ہوئیں اور ہاتھوں کے کنگن، پیروں کی پازیب اور انگوٹھیاں وغیرہ سب اتار کر ابرہہ کو دے دیں۔ شام کے وقت نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں کو جمع کیا۔ پھر نکاح کا خطبہ پڑھا۔

اس خطبے کے الفاظ یہ تھے

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق ہیں اور آپ وہی نبی ہیں جن کی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کا نکاح ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کر دوں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آپ کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا۔"

نکاح کے بعد لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی نے کہا "ابھی بیٹھیے! حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد کھانا بھی ہونا چاہیے۔"

اس طرح دعوت ولیمہ ہوئی۔ کھانے کے بعد یہ حضرات رخصت ہوئے۔ نجاشی نے اپنی خادمہ کے ذریعے مہر کی رقم ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بھجوائی۔ یہ رقم نجاشی کی وہی باندی ابرہہ لے کر گئی۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اسے پچاس دینار بطور انعام دیے تو اس نے وہ دینار اور پہلے جو زیور آپ کی طرف سے اسے ملے تھے، وہ بھی انہیں واپس کر دیے اور بولی:

''نجاشی نے مجھے ہدایت کی ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں اور آپ یقین کریں، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروکار بن چکی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے لیے دین اسلام کو قبول کر چکی ہوں اور آج بادشاہ نے اپنی بیگمات کو حکم دیا ہے کہ ان کے پاس جو خوشبو اور عطر ہو، اس میں سے عطر وہ آپ کے لیے ہدیہ بھیجیں۔''

دوسرے روز ابرہہ بہت سا عود اور عنبر وغیرہ آپ کے پاس لائی۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے وہ عود اور عنبر سب رکھ لیا اور اپنے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی۔''

جب ابرہہ یہ خوشبوئیں لائی تو اس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

''میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں میرا سلام عرض کر دیں اور میرے بارے میں بتا دیں کہ میں دین اسلام قبول کر چکی ہوں۔''

ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب تک میں مدینہ منورہ کے لیے روانہ نہیں ہوگئی، ابرہہ برابر میرے پاس آتی رہی اور کہتی رہی، دیکھیے! میری درخواست بھول نہ جائیے گا۔ چنانچہ جب میں مدینہ منورہ پہنچی تو یہ تمام باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر مسکراتے رہے۔ آخر میں جب میں نے ابرہہ کا سلام اور پیغام پہنچایا تو آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا "تمہیں سلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ"

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیرت کے ساتھ حسن صورت سے بھی نوازا تھا۔ آپ کو اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ خاوند کے مرتد ہونے پر بھی آپ اسلام پر ڈٹی رہیں۔ آپ نے خاوند کے عیسائی ہونے کی کوئی پرواہ نہ کی۔

فتح مکہ سے پہلے حضرت ابوسفیان صلح کی مدت میں اضافے کے لیے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ یعنی ابھی وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ادھر یہ روانہ ہوئے، ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خبر دے دی کہ ابوسفیان مدت صلح کی مدت میں اضافے کے لیے آرہے ہیں۔ یہ صلح حدیبیہ کے مقام پر ہوئی تھی۔

جب ابوسفیان مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے بیٹی سے ملنے کے لیے ان کے گھر آئے۔ اندر داخل ہونے کے بعد آپ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگے تو ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر لپیٹ دیا۔ حضرت ابوسفیان دھک سے رہ گئے اور ناراض ہو کر بولے:

"بیٹی! تم نے بستر کیوں لپیٹ دیا۔ تو نے بستر کو میرے قابل نہیں سمجھا یا مجھے بستر کے قابل نہیں سمجھا۔"

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

"یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے۔ اس پر ایک مشرک نہیں بیٹھ سکتا جو شرک کی نجاست سے آلودہ ہو۔"

یہ سن کر حضرت ابوسفیان کو غصہ آ گیا، بولے۔

"اللہ کی قسم! تو میرے بعد شر میں مبتلا ہو گئی۔"

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا

''میں شر میں نہیں، بلکہ کفر کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کے نور اور ہدایت کی روشنی میں داخل ہوگئی ہوں اور حیرت ہے کہ آپ قریش کے سردار ہو کر پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔''

ایک اور حدیث سے ان کی دین سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ فرماتی ہیں:

''میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص دن اور رات میں 12 رکعت نماز نوافل ادا کرے، اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا اور جب سے میں نے یہ سنا، اس وقت سے میں ہمیشہ نوافل پڑھتی ہوں۔ کبھی ان کو ترک نہیں کیا۔''

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے 44 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وہ ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور تھا، لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کا انتقال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے ایک سال بعد یعنی 59 ہجری میں ہوا۔ زیادہ درست بات 44 ہجری والی ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 73 سال تھی۔

وفات کے وقت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر کہا:

''مجھ میں اور تم میں وہ تعلقات تھے جو آپس میں سوکنوں کے ہوتے ہیں۔ اللہ ان سب باتوں کو معاف فرمائے اور تم سے درگزر فرمائے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا:

''تم نے مجھے خوش کر دیا، اللہ تمہیں خوش رکھے۔''

آپ نے اسی طرح سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا۔

آپ کے ہاں عبیداللہ بن جحش سے دو بچے ہوئے۔ ایک عبداللہ، دوسری حبیبہ۔ حبیبہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پائی تھی۔ اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔

ام المومنین سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا

آپ کا نام زینب تھا۔ غزوہ خیبر کے موقع پر آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آئی تھیں۔ عرب میں مال غنیمت کے طور پر جو حصہ حکمران یا بادشاہ کو ملتا تھا، اسے صفیہ کہتے تھے۔ اس لیے آپ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔

آپ کے والد کا نام حیی بن اخطب تھا۔ یہ بنو نضیر کا سردار تھا۔ ماں کا نام ضرہ تھا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے ہوا تھا۔ سلام نے آپ کو طلاق دے دی تو دوسرا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا۔ یہ کنانہ خیبر کے سردار کا بھتیجا تھا۔ کنانہ خیبر کی لڑائی میں مارا گیا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور بھائی بھی اس جنگ میں مارے گئے۔ خود بھی گرفتار ہوئیں۔ پچھلے دو خاوندوں سے آپ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ تین دن تک ولیمہ رہا اور یہی آپ کا مہر قرار پایا۔

ولیمہ عجب شان سے ہوا۔ چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اعلان کر دو کہ جس کے پاس جو کچھ ہے، لے آئے۔"

چنانچہ کوئی کھجور لے آیا، کوئی پنیر اور کوئی ستو اور گھی لایا۔ اس طرح بہت سی

چیزیں دستر خوان پر جمع ہو گئیں۔ سب نے مل کر یہ ولیمہ نوش کیا۔ اس ولیمے میں گوشت اور روٹی کچھ نہیں تھا۔ یہ ولیمہ صہبا کے مقام پر ہوا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صہبا کے مقام سے روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر سوار کر لیا۔ اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجیت میں آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے چہرے پر ایک نشان دیکھا۔ آپ نے پوچھا:

"صفیہ! یہ نشان کیسا ہے؟"

سیدہ نے بتایا: ایک دن میں نے خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آ گرا ہے۔ یہ خواب میں نے اپنے شوہر کو سنایا تو اس نے زور سے میرے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور کہا:

"تو عرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔"

یہ اشارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"خیبر کی لڑائی کے بعد جب میں گرفتار ہوئی اور مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو اس وقت آپ سے زیادہ ناپسندیدہ انسان میرے نزدیک کوئی نہیں تھا، کیونکہ میرا باپ، خاوند اور دوسرے رشتے دار قتل ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

"تمہاری قوم نے ہمارے ساتھ یہ کیا ہے۔"

آپ فرماتی ہیں:

"جب میں آپ کے پاس سے اٹھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب مجھے کوئی نہیں تھا۔"

کے دلوں میں کوئی ایسی بات نہ ڈال دے۔ اس لیے میں نے وضاحت کر دی۔"

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوائیوں نے گھیر لیا تو اس زمانے میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی بہت مدد کی تھی۔ ان ظالموں نے کھانا اور پانی تک بند کر دیا تھا، یعنی باہر سے کوئی چیز اندر نہیں جانے دیتے تھے۔ اس حالت میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا خچر پر سوار ہو کر آپ کی طرف روانہ ہوئیں۔ آپ کے غلام کنانہ آپ کے ساتھ تھے۔ بلوائیوں میں سے مالک اشتر آپ کے راستے میں آ گیا اور آپ کے خچر کے منہ پر مارنے لگا۔ اس طرح آپ مجبوراً واپس لوٹ گئیں۔ پھر آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کھانا اور پانی پہنچایا۔

آپ بہت سلیقہ شعار تھیں۔ کھانا بہت عمدہ پکاتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب دوسری ازواج مطہرات کے ہاں باری ہوتی تھی تو کھانا پکا کر اس گھر میں بھی بھیجا کرتی تھیں۔ آپ نے رمضان 50 ہجری میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ اس وقت آپ کی عمر 60 سال تھی۔

اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔ آمین۔

آپ دینی مسائل کی بہت بڑی عالمہ تھیں۔ ایک عورت بیمار ہوئی۔ اس نے منت مانی کہ اگر وہ شفایاب ہوئی تو بیت المقدس جا کر نماز ادا کرے گی۔ چنانچہ چند دن بعد وہ صحت مند ہوئی اور اپنی منت کے مطابق بیت المقدس میں جانے کی تیاریاں کرنے لگی۔ وہاں کے لیے رخصت ہونے سے پہلے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں۔ آپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس سے فرمایا:

"تم یہیں مسجد نبوی میں جا کر نماز پڑھ لو، کیونکہ اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد میں نماز پڑھنے کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔"

آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی تعمیل کے لیے خود کو ہر وقت تیار رکھا کرتی تھیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میمونہ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی ہیں۔"

آپ کو غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک روز ایک لونڈی کو آزاد کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بڑے ثواب کی خوشخبری سنائی۔

آپ کبھی کبھی قرض بھی لے لیتی تھیں، چنانچہ ایک مرتبہ قرض لیا۔ رقم کچھ زیادہ تھی۔ کسی نے آپ سے پوچھا

"آپ یہ قرض کیسے ادا کریں گی؟"

آپ نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ خود اس کا قرض ادا فرما دیتے ہیں۔"

اللہ کی آپ پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

تحفہ ارسال کیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو بالا خانے میں ٹھہرایا۔ اس بالا خانے میں آپ کے ہاں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اولاد ابراہیم رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ ان کی پیدائش 8 ذی الحجہ کو ہوئی۔ ساتویں روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عقیقہ کیا۔ عقیقے میں آپ نے دو مینڈھے ذبح کیے۔ سر منڈوایا... اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی تول کر صدقہ کی گئی۔ بال زمین میں دفن کیے گئے۔ ابراہیم بہت تندرست اور خوب صورت تھے۔ ابورافع رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹے کی پیدائش کی خوش خبری سنائی تو آپ اتنے خوش ہوئے کہ ابورافع رضی اللہ عنہ کو ایک غلام انعام میں دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم کو گود میں لے کر پیار کیا کرتے تھے۔

عرب کے قاعدے کے مطابق حضرت ابراہیم کو دودھ پلانے کے لیے ایک دایہ کے حوالے کیا گیا۔ ان کا نام ام بردہ رضی اللہ عنہا تھا۔ یہ ایک لوہار کی بیوی تھیں۔ ان کے چھوٹے سے گھر میں عام طور پر بھٹی کا دھواں رہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچے کو دیکھنے کے لیے لوہار کے گھر جاتے۔ وہاں دھواں آپ کی آنکھ اور ناک میں چلا جاتا۔ آپ انتہائی نازک طبع ہونے کے باوجود بچے کی خاطر اس دھوئیں کو برداشت کرتے۔ ابراہیم ابھی 17 یا 18 ماہ کے ہوئے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے آپ کے ہاتھوں میں جان دی۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے:

"اللہ کی قسم ابراہیم! ہم تمہاری موت سے بہت غمگین ہیں۔ آنکھ رو رہی ہے۔ دل غمزدہ ہے۔ مگر ہم ایسی بات زبان سے نہیں کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی نہ ہو۔"

جس روز ابراہیم فوت ہوئے۔ اس روز سورج گرہن ہو گیا۔ پرانے زمانے کے

لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کسی بڑے آدمی کی موت سے ہوا کرتے ہیں۔ اس اعتقاد کی بنیاد پر مدینہ منورہ کے لوگ بھی یہ بات کہنے لگے۔ آپ کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔ آپ نے لوگوں کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے ایک تقریر کی۔ اس میں آپ نے فرمایا:

"سورج اور چاند کو کسی انسان کی موت سے گرہن نہیں لگتا، بلکہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جب تم ایسا دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاؤ۔"

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں 16 ہجری میں انتقال فرمایا۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی آپ پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

بناتِ اربعہ

قدم بہ قدم

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں چار بیٹیاں ہوئیں۔ چاروں بیٹیاں حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنھا سے ہوئیں۔ ان میں سب سے بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنھا تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنھا سے نکاح فرمایا تو اس کے پانچ سال بعد سیدہ زینب پیدا ہوئیں۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 30 سال کے قریب تھی۔ گویا جب اسلام کا آغاز ہوا، اس وقت آپ کی عمر 10 سال تھی۔

اعلانِ نبوت کے بعد سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنھا نے اسلام قبول کیا تھا۔ آپ کے ساتھ ہی آپ کی اولاد بھی اسلام میں داخل ہوئی۔

مکہ معظمہ میں ابوالعاص بن ربیع کا شمار شریف لوگوں میں ہوتا تھا۔ یہ دولت مند تاجر تھے۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنھا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنھا کا نکاح ابوالعاص سے کر دینا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنھا کی رائے کا بہت احترام فرماتے تھے۔ آپ نے سیدہ کا یہ مشورہ فوراً مان لیا اور حضرت زینب کا نکاح ابوالعاص سے کر دیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دین کی تبلیغ شروع کی تو قریش مکہ نے ظلم و

ستم ڈھانا شروع کر دیا۔ ایک روز مشرک آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ کو لگے جھنجوڑنے اور برا کہنے۔ یہاں تک کہ آپ کو ہاتھوں سے بھی تکلیف پہنچاتے رہے۔ یہ سلسلہ صبح سے دوپہر تک جاری رہا۔ آخر یہ لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ اس وقت ایک نوعمر لڑکی آئیں۔ پریشانی کی حالت میں انھوں نے دوپٹہ پیچھے ڈالا ہوا تھا۔ وہ پانی کا ایک پیالہ اور رومال اٹھائے ہوئے تھیں۔ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پلایا۔ آپ نے پانی نوش فرما لیا تو رومال سے آپ کے ہاتھ منہ صاف کرنے لگیں۔ ایسے میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر آپ کو دیکھا اور ارشاد فرمایا:

"بیٹی! دوپٹے کو اپنے سینے پر ڈال لو۔ اپنے والد پر بلا آنے کا کوئی خوف نہ کرو۔"

لوگوں نے پوچھا:

"یہ کون ہیں؟"

انھیں بتایا گیا:

"یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔" (مجمع الزوائد)

اس واقعے سے ظاہر ہے کہ آپ اپنے والد کی مشکلات میں مکمل طور پر ساتھ دے رہی تھیں اور وہ دور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشکل ترین دور تھا۔

جب مشرکین مکہ کے ظلم و ستم کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قریبی لوگ ابی طالب کی گھاٹی میں رہنے پر مجبور ہوئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو العاص بن ربیع نے ان دنوں ان حضرات کی خوب مدد کی۔ یہ شدید تنگی کے تین سال تھے۔ ان میں ابو العاص غلہ وہاں پہنچاتے رہے۔ وہ یہ غلہ گھاٹی کے دہانے پر رکھ دیتے اور آواز لگا کر واپس مڑ جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

"ابو العاص نے ہماری دامادی کی بہترین رعایت کی اور اس کا حق ادا کیا۔"

سے اپنی مرضی سے نہیں آئے تھے۔ نہ جنگ کے دوران انھوں نے تلوار چلائی لیکن چونکہ کفار کے لشکر میں شامل تھے اور اسی حالت میں گرفتار کیے گئے تھے۔ اس لیے قیدی کی حیثیت میں تھے۔

اب مکہ کے کفار نے اپنے اپنے قیدیوں کے لیے رقمیں ارسال کرنا شروع کیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس اپنے شوہر کی رہائی کے لیے نقد رقم نہیں تھی۔ انھوں نے اپنا ہار بھیج دیا۔ یہ ہار انھیں ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ فدیہ جات پیش کیے جا رہے تھے کہ یہ ہار آپ کے سامنے لیا گیا۔ ہار کو دیکھتے ہی آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آ گئیں۔ اس دور کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ تمام صحابہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم پسند کرو تو ابو العاص کو رہا کر دو اور یہ ہار جو معاوضے کے طور پر آیا ہے، واپس کر دو۔"

اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا

"آپ درست فرماتے ہیں۔ ہم بلا معاوضہ ابو العاص کو رہا کرتے ہیں اور زینب رضی اللہ عنہا کے ہار کو واپس کرتے ہیں۔"

اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص سے فرمایا:

"تم وعدہ کرو کہ مکہ پہنچ کر زینب کو میرے پاس آنے کی اجازت دے دو گے۔"

"جی ہاں میں وعدہ کرتا ہوں۔" انھوں نے کہا۔

اس طرح ابو العاص کو بلا معاوضہ رہا کر دیا گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا والا ہار واپس کر دیا گیا۔

چند دن بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

تعریف فرمائی کہ انھوں نے وعدہ پورا کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے راستے میں پیش آنے والی مشکلات اور تکالیف کا ذکر کیا کہ کس طرح ہبار بن اسود اور اس کے ساتھیوں نے آپ کا راستہ روکا اور انھیں زخمی کیا۔ پھر کس طرح کنانہ نے انھیں حضرت زید رضی اللہ عنہ تک پہنچایا۔ اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میری بیٹیوں میں زینب سب سے افضل ہے۔ جو میری وجہ سے مصیبت زدہ ہوئیں۔"

اب ابوالعاص مکہ میں تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں۔ ابوالعاص جب تک ایمان نہیں لائے، مکہ میں رہے۔

مکہ والے تجارت کی غرض سے شام کی طرف سفر کیا کرتے تھے۔ ایک تجارتی قافلہ شام کی طرف روانہ ہوا۔ اس میں ابوالعاص بھی شامل تھے۔ قریش کے مال ان کے پاس تھے جن سے انھیں شام میں تجارت کرنا تھی۔ جب یہ قافلہ شام سے واپس لوٹا تو مسلمانوں کو اس کا علم ہو گیا۔ مسلمانوں نے ان لوگوں کو گھیر لیا اور انھیں گرفتار کر لیا، لیکن اس سے پہلے ہی ابوالعاص قافلے سے الگ ہو کر مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں پہنچ گئے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انھیں پناہ دے دی۔ باقی قافلے والے بعد میں مدینہ لائے گئے۔ عام مسلمانوں کو اس بات کی اطلاع نہیں تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صبح کی نماز پڑھائی۔ ایسے میں عورتوں کی صفوں میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عورتوں کو آواز دی:

"مسلمانو! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دے دی ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: "جو کچھ میں نے سنا تم نے بھی سن لیا۔"

سب نے عرض کیا: "جی ہاں! اے اللہ کے رسول۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مجھے بھی اس بات کا پہلے علم نہیں تھا اور جب مسلمانوں کا ایک ادنیٰ شخص بھی کسی کو پناہ دے دے تو اس کی پناہ اسلام میں منظور کی جاتی ہے اور اس کا پناہ دینا درست ہوتا ہے تو اس صورت میں زینب کا ابوالعاص کو پناہ دینا صحیح قرار دیا جاتا ہے۔ اس پناہ کا خاص خیال رکھیں۔"

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور فرمایا:

"پیاری بیٹی! ان کی اچھی طرح خاطر مدارات کرنا۔"

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بلا بھیجا جنھوں نے ابوالعاص کے مال لوٹے تھے۔ آپ نے انھیں حکم دیا:

"ابوالعاص کے تمام اموال انھیں واپس کردو۔ ان میں سے کوئی چیز نہ رکھی جائے۔"

اس طرح ابوالعاص کو تمام اموال واپس مل گئے۔ اب یہ مکہ واپس پہنچے۔ جن جن لوگوں کے مال ان کے پاس تھے، انھیں بلایا، ان کے مال انھیں لوٹائے۔ پھر انھوں نے ان لوگوں سے کہا:

"کیا میں نے سب کا مال لوٹا دیا۔ کسی کا میرے ذمے رہا تو نہیں گیا۔"

سب نے کہا: "ہم سب کو ہمارے مال واپس مل گئے، تم بہت شریف انسان ہو، اللہ تمھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔"

اس پر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اور اللہ کی قسم! مدینہ منورہ میں میں نے اس

اب تمام ازواج مطہرات انتظار کرنے لگیں کہ دیکھیں ہار کس کے حصے میں آتا ہے۔ پھر آپ نے وہ اپنی نواسی امامہ کے گلے میں ڈال دیا۔

اس واقعے سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد سے بے تحاشہ محبت کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ۸ ہجری میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ سیرت لکھنے والوں نے موت کا سبب وہ زخم لکھا ہے جو مکہ معظمہ سے ہجرت کرتے وقت آپ کو لگا تھا جب آپ پر نیزے سے وار کیا گیا تھا اور آپ اونٹ سے گر پڑی تھیں۔

آپ کی روح پرواز کر گئی تو گھر میں موجود آپ کی بیٹیاں اور دوسری عورتیں رونے چلانے لگیں۔ ان کے چیخنے چلانے کی آوازیں بلند ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سختی سے روکا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے عمر! سختی نہ کرو۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا:

"تم شیطانی آواز نکالنے سے پرہیز کرو، جو آنسو آنکھ سے بہتے ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ اس کی رحمت ہے اور جو کچھ ہاتھ سے یا زبان سے کیا جائے وہ شیطان کی طرف سے ہے۔"

ہاتھ اور زبان سے کرنے سے مراد چیخنا اور واویلا کرنا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ نے اپنی صاحبزادی کی وفات پر امت کو یہ تعلیم فرمائی کہ کسی کی موت پر ہاتھ اور زبان سے بے صبری کی حرکات نہ کرو۔ مسلمانوں کے لیے یہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔ یہ جاہلیت کی رسومات تھیں جو لوگ اپنے عزیز و رشتہ دار کی موت پر کرتے تھے۔ اسلام نے صبر اور برداشت کی تعلیم دی ہے جیسا کہ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا:

"اگر تم محمد بن عبداللہ کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے تو میں تمہیں منہ نہیں لگاؤں گا اور تمہارا چہرہ تک نہیں دیکھوں گا۔"

باپ کے کہنے پر دونوں بیٹوں نے طلاق دے دی اور دراصل یہ ان صاحبزادیوں کی غیبی مدد تھی۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ پاک صاحبزادیاں عتبہ اور عتیبہ کے ہاں نہ جاسکیں۔

اس سارے معاملے میں دونوں صاحبزادیوں کا کوئی قصور نہیں تھا۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں ہونے کی بنیاد پر ایسا کیا گیا تھا۔ جب ابو لہب کے لڑکوں نے دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دے دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی رقیہ کا نکاح مکہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔

اس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں اپنی بیٹی رقیہ کا نکاح عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دوں۔"

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا اور ساتھ ہی رخصتی کر دی۔ (کنز العمال 375/6)

اس سلسلے میں ایک روایت یہ ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے اپنی ایک صاحبزادی رقیہ کا نکاح کیا۔ پھر ان کے انتقال کے بعد دوسری صاحبزادی ام کلثوم کو ان کے نکاح میں دے دیا۔ (کنز العمال 379/6)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینا ان کی بہت بڑی فضیلت ظاہر کرتا ہے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بہت عظیم سعادت اور خوش بختی ہے کہ نبی آخر الزماں کی دو بیٹیاں ان کے نکاح میں آئیں۔ دنیا میں یہ فضیلت کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کس قدر پسند فرماتے تھے۔ ان سے کتنی محبت فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو حسن و جمال بھی بہت عطا فرمایا تھا۔ جب آپ کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو اس دور کی عورتیں اس شادی پر رشک کرتی تھیں، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی بہت حسین و جمیل تھے۔ وہ عورتیں کہا کرتی تھیں:

”انسانوں نے جو حسین ترین جوڑا دیکھا ہے، وہ رقیہ اور ان کے خاوند عثمان ہیں۔“

اور وہ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ کفار طرح طرح کے ظلم ڈھا رہے تھے۔ ان حالات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ لوگ اگر حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں تو یہ ان کے لیے بہت بہتر رہے گا۔ اس لیے کہ حبشہ کا بادشاہ بہت نیک انسان ہے، کسی پر ظلم نہیں کرتا تھا، وہاں تم آرام اور سکون سے رہ سکتے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی کی کوئی صورت فرما دیں گے۔

اس پر چند افراد حبشہ کی طرف نکل پڑے۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی ہجرت تھی۔

قرآن کریم میں اس ہجرت کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: جن لوگوں نے ستم رسیدہ ہونے کے بعد اللہ کے راستے میں ہجرت کی اور اپنا وطن چھوڑا، ان لوگوں کو ہم دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر بہت بڑا ہے۔
(سورۃ النحل: آیت 41)

اب جو حضرات اس ہجرت کے لیے مکہ سے نکلے، ان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھے۔ ہجرت کا یہ واقعہ نبوت کے پانچویں سال پیش آیا۔

ہجرت کرنے والے ان حضرات نے حبشہ میں کچھ مدت گزاری، پھر مکہ واپس آ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ واپس آ گئے، لیکن اس دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا چکے تھے۔ لہٰذا حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما نے بھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ یہ ان کی دوسری ہجرت تھی۔ اس طرح انھیں دو مرتبہ ہجرت کا شرف حاصل ہوا۔

حبشہ میں رہائش کے دوران حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ ان کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس بچے کے نام کی نسبت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ اپنے والدین کے ساتھ نواسہ رسول عبداللہ بھی مدینہ منورہ پہنچے۔ ان کی عمر چھ ماہ کی تھی کہ ایک مرغ نے ٹھونگ مار کر انھیں زخمی کر دیا۔ اس زخم سے ان کے چہرے پر ورم آ گیا تھا اور یہ زخم ٹھیک نہ ہو سکا۔ اسی حالت میں عبداللہ انتقال کر گئے۔ یہ اپنی والدہ کے بعد 4 ہجری میں فوت ہوئے۔ ان کے بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اور اولاد نہیں ہوئی۔

عبداللہ کے انتقال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت غمزدہ ہوئے تھے۔ آپ نے انھیں گود میں اٹھایا، آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس حالت میں آپ نے فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رحیم اور شفیق بندوں پر رحم فرماتا ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ انھیں دفن کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قبر میں اترے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خادمہ تھیں۔ ان کا نام ام عیاش تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتی تھیں لیکن پھر آپ نے انہیں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو سونپ دیا اور وہ ان کی خدمت کرنے لگیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام زادے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے جو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے، وہ کہتے ہیں:

"ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گوشت کا ایک پیالہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ رقیہ کو دے آؤ۔ میں نے وہ پیالہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا دیا۔ اس وقت گھر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ خدا کی قسم میں نے ایسا عمدہ جوڑا پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ میاں بیوی دونوں حسن و جمال میں بے مثال تھے۔ (اس وقت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال سے کم تھی۔)

ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک عمدہ کھانا تیار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر رہنا تھا۔ غرض جب کھانا پہنچا تو آپ اس وقت گھر میں موجود نہیں تھے۔ جب تشریف لائے تو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وہ کھانا آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا:

"یہ کس نے بھیجا؟"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا:

"یہ حضرت عثمان کے گھر سے آیا ہے۔"

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! عثمان تجھے راضی کرنا چاہتے ہیں تو بھی ان سے راضی ہو جا۔"

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی

اللہ عنہا سے کس قدر محبت تھی۔

ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سر دھو رہی ہیں، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:

''بیٹی! اپنے خاوند کے ساتھ اچھا سلوک کرتی رہو، میرے صحابہ میں عثمان کے اخلاق مجھ سے زیادہ ملتے جلتے ہیں۔''

2ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا۔ اس غزوے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے۔ انہی دنوں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں۔ بیماری شدید تھی اور پھر آپ اور آپ کے صحابہ غزوہ کے لیے بالکل تیار تھے، لہٰذا ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''رقیہ بیمار ہیں، آپ ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں ہی ٹھہر جائیں۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بھی مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ میں شرکت کی سعادت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آپ کے لیے بدر میں حاضر ہونے والوں کے برابر اجر ہے اور مالِ غنیمت میں بھی آپ کا حصہ ہے۔''

آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو غزوہ بدر میں شریک ہونے کے برابر ثواب کا حق دار قرار دیا تھا اور اسی طرح غزوہ بدر میں شرکت کرنے والوں کے برابر ہی مالِ غنیمت کا حق دار قرار دیا تھا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا

نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کی غرض سے بدر میں شرکت سے معاف قرار دیا تھا۔

اس سلسلے میں ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا

"اے اللہ کے رسول! مجھے اجر اور ثواب کے بارے میں کیا حکم ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا

"تمہیں اجر اور ثواب بھی اہل بدر کے برابر ہے۔" (ابن اثیر، البدایہ والنہایہ)

اس تاریخی حقیقت کے بعد بھی لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ یہ لوگ گمراہی و نادانی پر ہیں۔

۲ ہجری کو غزوہ بدر پیش آیا۔ دوسری طرف حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری شدید ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر حاضری میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی تیمارداری بھی فرمائی اور اس کے بعد تدفین کا انتظام بھی کیا۔

ادھر میدان بدر میں کفار کو شکست ہوئی۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ فتح کی خبر لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ اس وقت لوگ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر چکے تھے اور اپنے ہاتھوں سے مٹی جھاڑ رہے تھے۔ ہجرت مدینہ کے دو سال بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تھا۔

چند دن بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ جنت البقیع میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر پہنچے۔ اس موقعے پر کچھ خواتین بھی جمع ہو گئیں اور رونے لگیں۔ جب عورتوں کی آواز بلند ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹ کر منع کیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سختی نہ کرنے کی ہدایت فرمائی اور نرمی سے فرمایا:

"جب تک آنکھ اور دل سے رونا ہو تب تک یہ علامت رحمت اور شفقت کی ہے۔

لیکن جب زبان سے واویلا اور ہاتھ سے اشارے ہوں تو یہ شیطان کی طرف سے ہے۔"

اس موقع پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں آگئیں اور رونے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے سے آنسو پونچھے اور انھیں تسلی دی۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر آپ بہت رنجیدہ تھے۔ یہ غم آپ کو یہ تھا کہ ان کی وفات آپ کی غیر حاضری میں ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری لمحات میں بھی ان کے پاس نہیں تھے۔ یہاں تک کہ کفن دفن میں بھی حصہ نہیں لے سکے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔

روانہ فرمایا، تاکہ یہ گھر کے افراد کو مدینہ لے آئیں۔ آپ نے سواری کے لیے دو اونٹ اور نقد رقم بھی انھیں دی تھی۔ یہ سفر خرچ کے لیے تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات سے فرمایا تھا:

"مکہ سے ہمارے اہل عیال کو لے آئیں۔"

یہ حضرات مکہ پہنچے اور وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو مدینہ منورہ لے آئے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کی تعمیر میں مصروف تھے اور مسجد کے آس پاس حجرے بنوا رہے تھے۔ اس لیے آپ نے اپنے اہل خانہ کو حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرایا۔ اس طرح ام کلثوم، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنھن مدینہ منورہ پہنچیں۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ یہ ذکر پہلے آ چکا ہے۔

غزوہ بدر کے موقع پر 2 ہجری میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا انتقال کر گئیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت غمگین رہتے تھے اور چاہتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ دامادی برقرار رہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے عثمان! یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں، یہ خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دے دوں۔ جو مہر رقیہ کے لیے مقرر ہوا تھا، وہی مہر ام کلثوم کا ہو۔"

3 ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دوہرے داماد

ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ رخصتی چند ماہ بعد ہوئی۔ اس نکاح کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا

''میں اپنی بیٹیوں کو اپنی مرضی سے کسی کے نکاح میں نہیں دیتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے نکاحوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔'' (مستدرک حاکم 49/4)

اس حدیث سے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا تھا۔ یہی نہیں، باقی صاحب زادیوں کے حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن کے نکاح بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئے تھے، لیکن یہاں صاحب زادیوں کی خصوصیت ہے کہ ان کے نکاح اللہ کے حکم سے ہوئے۔ ان کے نکاح کے ساتھ کسی دوسری عورت کو نکاح میں نہیں لایا گیا۔

ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا جب تک زندہ رہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ ان دونوں صاحب زادیوں کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نکاح کیے اور ان سے آپ کے ہاں اولاد بھی ہوئی۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال 9 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں ہوا۔ اللہ کو یہی منظور تھا کہ آپ کی تیسری صاحب زادی کا انتقال بھی آپ کی زندگی میں ہی ہوا۔ شعبان 9 ہجری میں آپ اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

یہ سب اللہ کے کام ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادگان بھی آپ کی زندگی ہی میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام لوگوں کے اعتبار سے زیادہ آزمائش میں ہوتے ہیں، ان کے بعد جو ان سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں، وہ آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال پر حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ کا حد درجے غم زدہ ہونا قدرتی بات تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا:

''اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے عثمان کے نکاح میں دے دیتا۔''

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما کے کفن دفن کے انتظامات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائے۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا، حضرت لیلیٰ بنت قانف رضی اللہ عنہا اور ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو غسل دیا۔ غسل کے لیے بیری کے پتوں والا پانی استعمال کیا گیا، غسل کے بعد کافوری خوشبو لگائی گئی۔

غسل اور کفن کے بعد جنازے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جنازے میں شرکت کی۔

نماز جنازہ ہو چکی تو جنازہ جنت البقیع میں لایا گیا۔ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ قبر میں اترے۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ قبر میں اترے اور دفن کرنے میں مدد کی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی کے دفن کے موقعے پر ہم حاضر تھے اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر تشریف فرما تھے، میں نے دیکھا، آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ آپ کا نام فاطمہ اور لقب زہرا اور بتول ہیں۔ آپ کی والدہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ نبوت کے اعلان سے قریباً پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت 35 سال تھی۔

ایک روایت کے مطابق آپ نبوت کے اعلان کے بعد پیدا ہوئیں۔ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اکتالیس سال تھی۔ آپ کے چلنے کا انداز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا تھا۔ اٹھنے بیٹھنے کے انداز بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے تھے۔

نبوت کے اعلان کے بعد مکہ کے کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانا شروع کیا۔ ایک روز آپ خانہ کعبہ کے پاس حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قریش کے چند شریروں نے ایک اونٹ کی اوجھڑی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک پر رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سجدے کی حالت میں تھے۔ کسی نے جا کر یہ بات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتا دی۔ وہ دوڑی ہوئی آئیں اور اس بوجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر سے اتارا۔ نماز سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے لیے بددعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور ان میں سے زیادہ تر غزوہ بدر میں مارے گئے۔

(بخاری شریف [1/741])

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو اپنی بیٹیوں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو مکہ ہی میں چھوڑ گئے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کو بھی وہیں چھوڑ گئے تھے۔ مدینہ منورہ میں پہنچ جانے اور رہائش کے انتظامات کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہما کو انھیں لانے کے لیے بھیجا۔ انھیں سفر کے لیے دو اونٹ اور پانچ سو درہم بھی دیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن اریقط ان حضرات کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ ان حضرات نے قدید کے مقام سے سواریاں خریدیں اور پھر مکہ میں داخل ہوئے۔ یہاں ان کی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ بھی ہجرت کے لیے تیار تھے۔ اس طرح یہ تمام حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد 2 ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی طرف توجہ فرمائی۔ بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی درخواست کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"آپ کے پاس مہر کے لیے کوئی چیز ہے؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"ویسے تو کوئی چیز نہیں ہے، بس ایک سواری اور ایک زرہ ہے۔"

یہ دونوں چیزیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چار سو درہم میں فروخت کر دیں۔ اس موقعے پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان میں سے تھوڑی سی خوشبو خرید و، کیونکہ فاطمہ بھی خواتین میں سے ہے اور ان کے لیے خوشبو درکار ہوتی ہے۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا

"فاطمہ کی رخصتی کے لیے مکان کی تیاری کی جائے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"ہم نے اس کام کی تیاری شروع کی۔ وادی بطحا سے اچھی قسم کی مٹی منگوائی۔ اس سے مکان کو لیپا پوتا اور صاف کیا۔ پھر ہم نے اپنے ہاتھوں سے کھجور کی چھال درست کی۔ ان سے دو گدے تیار کیے۔ خرما اور منقی سے خوراک تیار کی۔ پینے کے لیے شیریں پانی مہیا کیا۔ پھر اس مکان کے ایک کونے میں ایک لکڑی گاڑ دی تاکہ اس پر مشکیزہ اور کپڑے لٹکائے جا سکیں۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"فاطمہ کی شادی سے بہتر ہم نے کوئی شادی نہیں دیکھی۔ (ابن ماجہ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک بڑی چادر اور چمڑے کا ایک تکیہ یا جو کھجور کی چھال یا اذخر سے بھرا تھا۔ اذخر خوشبو دار گھاس کو کہتے ہیں۔ آٹا پیسنے کے لیے ایک چکی، ایک مشکیزہ اور دو گھڑے دیے۔ آپ نے اپنی پیاری بیٹی کو بس یہ سامان دیا۔ یہ بھی اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت غریب تھے۔ ان کے پاس گھر داری کا کوئی سامان تھا ہی نہیں۔ لہٰذا اس سے مروجہ جہیز کا جواز کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ امت کے لیے یہ سادہ اور مختصر سامان ہمارے لیے ایک نمونہ ہے۔ نیز یہ سبق دے رہا ہے کہ اصل چیز فکر آخرت ہے اور یہ زندگی عارضی ہے۔

جب یہ تیاریاں مکمل ہو چکیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے

مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ مہر چار سو مثقال مقرر فرمایا۔ نکاح میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اور بڑے صحابہ نے شرکت کی۔ یہ حضرات اس نکاح کے گواہ تھے۔ نکاح کی تقریب بالکل سادہ تھی۔ کسی قسم کے تکلفات نہیں برتے گئے۔ کوئی رسومات نہیں کی گئیں۔

نکاح کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دختر کو بی بی ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر روانہ فرمایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ پیدل چل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تک گئیں۔ کسی ڈولی یا سواری کا انتظام نہیں کیا گیا۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ نکاح رمضان 2 ہجری میں ہوا اور رخصتی ماہ ذوالحجہ 2 ہجری میں ہوئی۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ تھی جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس برس تھی۔ (قرطبی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزارنے کا ضابطہ ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا:

''فاطمہ گھر کے اندر کے کام سرانجام دیں گی اور علی المرتضیٰ گھر سے باہر کے کام کریں گے۔''

وہ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ مسلمانوں کو کافروں کے مقابلے میں فتوحات ہونے لگیں تھیں۔ لونڈیاں اور غلام ان فتوحات میں آتے تھے۔ یہ مسلمانوں میں تقسیم کیے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ غلام آئے۔ اس موقعے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر ایک غلام کا مطالبہ کریں جو گھریلو کام کاج میں آپ کی مدد کر سکے۔ اس طرح آپ زحمت سے بچ جائیں گی۔''

مرتبہ زبردست تیاریاں کی تھیں۔ اس جنگ میں شروع میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی لیکن چند مسلمانوں کی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمان مشکل حالات میں گھر گئے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ آپ کے دندان مبارک کو نقصان پہنچا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پانی لانے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زخموں کو صاف کرنے لگیں۔ خون نہ رکا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھی تب خون رکا۔ (بخاری)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک میت کو دفن کرنے کے لیے لے گئے۔ جب تم دفن سے فارغ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو صحابہ کرام بھی ساتھ تھے۔ جب آپ گھر کے قریب پہنچے تو سامنے سے ایک خاتون آتی نظر آئیں۔ یہ سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ نے ان سے پوچھا:

"بیٹی! آپ گھر سے باہر کس لیے گئی تھیں؟"

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا

"فلاں گھر میں ایک فوتگی ہوئی ہے۔ تعزیت کے لیے گئی تھی۔ ان کے حق میں دعا کرنے آئی ہوں۔"

قربانی کے دن تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"تم اپنی قربانی کے ذبح کے وقت اس کے پاس کھڑی رہو اور اسے دیکھو۔"

ساتھ ہی آپ نے فرمایا:

"قربانی کے خون کے ہر قطرے کے بدلے میں تمہارے گناہ معاف ہوتے ہیں۔"

اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

''اے اللہ کے رسول! کیا یہ مسئلہ صرف ہمارے لیے خاص ہے یا ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ ہمارے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔'' (الفتح الربانی 59/13)

جس روز مکہ فتح ہوا (یعنی 8 ہجری میں) تو ام ہانی رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غسل فرما رہے تھے۔ چاشت کا وقت تھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے لیے کپڑے سے پردہ کیے ہوئے تھیں۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے سلام کیا تو آپ نے پوچھا:

''کون آئی ہیں؟''

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! یہ میں ہوں ام ہانی۔''

غسل سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی آٹھ رکعت ادا فرمائیں۔ (سنن دارمی 177)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے قربانی کے گوشت کا مسئلہ پوچھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قربانی کا گوشت بچا کر رکھنے سے منع فرمایا تھا مگر بعد میں آپ نے اسے بچا کر رکھنے کی اجازت دے دی اور واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی سفر سے گھر تشریف لائے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قربانی کا پکا ہوا گوشت پیش کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

''کیا اس کے کھانے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا تھا؟''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قربانی کا گوشت سال بھر کھایا جا سکتا ہے۔'' (مسند احمد 282/6)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے تو وہ احترام سے کھڑی ہو جاتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو چوم لیتیں اور اپنی جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھاتیں۔ اسی طرح جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے اور بوسہ دینے کے لیے ان کے ہاتھ پکڑ لیتے۔ پھر اپنی جگہ آپ کو بٹھاتے۔

اس سے معلوم ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحب زادیوں پر نہایت مہربان تھے۔ ان سے بے تحاشہ محبت کرتے تھے۔ ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی زیب و زینت پسند نہیں فرماتے تھے اور صرف اپنے لیے ہی نہیں، اپنی اولاد کے لیے بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

ایک روز سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر بلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھر میں نقش و نگار والا ایک پردہ لٹکا رکھا تھا۔ اسے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر ہی ٹھہر گئے، اندر تشریف نہ لائے اور واپس لوٹ گئے۔ یہ دیکھ کر سیدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑیں اور آپ کے نزدیک پہنچ کر عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آپ واپس کس لیے جا رہے ہیں۔''

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''پیغمبر کے لیے یہ مناسب نہیں کہ ایسے مکان میں داخل ہو جو نقش و نگار سے سجایا گیا ہو۔''

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا: "اے میری بیٹی! جو مجھے محبوب ہے، کیا وہ تمہیں محبوب نہیں؟"

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "کیوں نہیں! جو آپ کو محبوب ہے، وہ مجھے بھی محبوب ہے۔"

اب آپ نے فرمایا: "تب پھر عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محبت رکھنا اور ان سے عمدہ سلوک قائم رکھنا۔"

فتح مکہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کا ارادہ کیا۔ اس بات کی خبر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی ہوگئی۔ انھیں شدید رنج ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یہ بات آپ کو بتائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا:

"فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہیں جس نے انھیں تکلیف پہنچائی، اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ جو چیز فاطمہ کو بری لگے، وہ مجھے بھی ناپسند ہے۔ میں اپنی طرف سے حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ کسی حرام کو حلال کرتا ہوں، لیکن اللہ کی قسم! اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہوں گی۔"

اس خطبے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ ترک کر دیا۔ (بخاری 438/1)

ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں کچھ رنجیدگی ہوگئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سخت لہجے میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ کہہ دیا۔ اس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا:

"اے میری بیٹی! تمہیں اپنے خاوند کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ خاوند کو تنبیہ وغیرہ کا حق ہوتا ہے۔" (طبقات ابن سعد 16/8)

اپنے مرض الوفات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی وصیتیں فرمائیں۔ بہت سے فرمان جاری کیے۔ ان پر عمل کرنے کی پوری امت کو بہت تاکید فرمائی۔ اس موقعے پر آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہ وصیت فرمائی:

"اے فاطمہ! اور اے صفیہ! اللہ تعالیٰ کے ہاں جو حساب کتاب لیا جائے گا، اس کی تیاری کرو۔ میں اللہ کے ہاں حساب کتاب میں تمہارے کام نہیں آؤں گا۔"

اس وصیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ حسب نسب پر بھروسہ کر کے اعمال میں کوتاہی کرنا درست نہیں۔ باقی رہا شفاعت کا مسئلہ، وہ اپنے مقام پر بالکل درست ہے۔ وہ اللہ کے حکم سے ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دن تھے۔ آپ گھر میں تشریف فرما تھے۔ ازواج مطہرات جمع تھیں۔ ایسے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لے آئیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی زندہ تھیں۔ ان کے چلنے کا انداز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آتے دیکھا تو مرحبا فرمایا اور اپنے پاس بٹھالیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کے کان میں کچھ کہا۔ وہ اس بات کو سن کر بے ساختہ رونے لگیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غمگینی دیکھی تو پھر ان کے کان میں کچھ فرمایا۔ وہ یہ سن کر ہنسنے لگیں۔

جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس سے تشریف لے گئے تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

کہنے لگیں۔

''اے ابا جان! آپ نے رب کی دعوت قبول کی، اے ابا جان! جنت الفردوس آپ کا ٹھکانا ہوگا۔''

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن دفن کے مراحل گزرے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک میں دفن ہوئے۔ اس وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگیں:

''اے انس! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مٹی ڈالنا تم لوگوں کو کس طرح گوارا ہوا۔'' (مشکوٰۃ، دارمی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری اوقات میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بہت سی وصیتیں فرمائیں۔ ان میں سے ایک خاص طور پر یہ تھی:

''اے فاطمہ! جب میرا انتقال ہو جائے تو میری وجہ سے (میرے غم میں) اپنے چہرے کو نہ چھیلنا، اپنے بالوں کو نہ پریشان کرنا اور واویلا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ اور بین نہ کرنا، نہ ہی بین کرنے والیوں کو بلانا۔ (بنات اربعہ۔ مولانا محمد نافع)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے۔ تمام صحابہ نے آپ کی خلافت کو تسلیم کر لیا اور حضرت ابوبکر صدیق خلافت کے فرائض سرانجام دینے لگے۔ آپ ہی مسلمانوں کو پانچ وقت کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور مدینہ منورہ کے تمام صحابہ کرام ان کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے۔

ان دنوں میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنا ایک مطالبہ لے کر حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں آئیں۔ آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا۔

''ہمیں باغ فدک، خیبر کی جائیداد اور اموال مدینہ میں سے ہمارا حق وراثت دیا

جائے۔ یعنی ان جائیدادوں کا انہیں وارث بنا دیا جائے۔"

یہ حصہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اس لیے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ مطالبہ کیا۔ اس مطالبے کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہم انبیاء کی مالی وراثت نہیں چلتی اور جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ اللہ کے راستے میں وقف ہے اور صدقہ ہوتا ہے۔ باقی آپ حضرات کو جو حق ان اموال سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ملتا تھا، وہ بدستور دیا جائے گا اور اس میں ہم کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کریں گے اور اسی طریقے سے ادائیگی کریں گے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جاری کیے ہوئے تھے۔"

اس موقعے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داری مجھے اپنی قرابت داری سے بہت زیادہ عزیز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے داروں کا لحاظ مجھے اپنے رشتے داروں سے زیادہ ہے۔"

آپ کا مطلب یہ تھا کہ مالی حق آپ کا ادا کیا جاتا رہے گا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ادا کیا جاتا تھا۔ مال کا وارث آپ کو نہیں بنایا جائے گا، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہی ہے۔ (بخاری)

چنانچہ تینوں خلفاء کے دور میں یہ حق ان حضرات کو اسی طرح ملتا رہا جس طرح یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ملا کرتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور میں یہ مسئلہ اسی طرح رکھا۔

اس سلسلے میں جو لوگ کہتے ہیں کہ سیدہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ناگوار گزرا تھا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پھر تمام زندگی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

عنہ سے بات نہیں کی تھی، یہ درست نہیں ہے۔ ان حضرات نے اس فیصلے کو بخوشی قبول کیا تھا، کیونکہ حق بات تھی بھی یہی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کوئی ناخوش گواری نہیں تھی، جیسا کہ درج ذیل واقعے سے ثابت ہے۔

ایک روز سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئیں۔ وہاں دونوں کے درمیان گفتگو ہوئی، اس گفتگو کے دوران سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق سے کہا:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں یہ بشارت فرمائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے اہل بیت میں پہلی شخصیت میں ہوں گی جو آپ کے ساتھ جاملوں گی (یعنی اہل بیت میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے میں اس دنیا سے رخصت ہوں گی) (مسند احمد)

امامہ بنت ابی العاص، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سگی بھانجی تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امامہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں وصیت فرمائی:

''میرے بعد آپ شادی کرنا چاہیں تو میری بھانجی امامہ کو نکاح میں لے لیں۔''

چنانچہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد جب امامہ رضی اللہ عنہا بڑی ہوگئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حد درجے غمگین رہنے لگی تھیں۔ آپ کی عمر اس وقت 28، 29 برس کی تھی۔ آپ کی اولاد بیٹے بیٹیاں ابھی کم عمر تھے۔ آپ کی تیمارداری کے لیے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا تشریف لاتیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچوں نمازیں باجماعت مسجد نبوی میں ادا فرماتے تھے۔ ایک روز جب یہ حضرات نماز سے فارغ ہو چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا کا کیا حال ہے۔ ان کا مزاج کیسا ہے۔" (آپ علیل رہتی تھیں)

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ ان حضرات کے آپس میں بہت خوشگوار تعلقات تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور چند روز بعد ۳ رمضان المبارک ۱۱ ہجری میں منگل کی شب آپ کا انتقال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک 28 یا 30 سال تھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی براہ راست آخری اولاد تھیں جن کا انتقال ہوا۔ سیدہ کے بعد براہِ راست اولاد بھی ختم ہو گئی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نشانی تھیں۔ یہ بھی اللہ کے پاس چلی گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال پر مدینہ منورہ کے لوگوں کے غم کی انتہا نہ رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس لیے بھی حد سے زیادہ غمگین تھے کہ ان کے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار اولاد میں سے آخری سیدہ بھی اس وقت رخصت ہو گئی تھیں۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانی ازواج مطہرات ہی تھیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت میں ہوا۔ آپ نے وفات سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو وصیت کی تھی کہ آپ ہی ان کو غسل دیں۔ چنانچہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے

آپ کو غسل دیا۔ ان کے ساتھ غسل میں چند دوسری بیبیوں نے بھی شرکت کی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس سارے کام کی نگرانی کرتے رہے۔

غسل اور کفن کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ کا مرحلہ پیش آیا۔ نماز جنازہ کے لیے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنھم جو اس وقت موجود تھے سب تشریف لے آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"آگے تشریف لاکر جنازہ پڑھائیں۔"

جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"آپ خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کی موجودگی میں میں نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ نماز جنازہ پڑھانا آپ ہی کا حق ہے۔ آپ تشریف لائیں اور جنازہ پڑھائیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے تشریف لے آئے۔ آپ نے چار تکبیر کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔ باقی تمام حضرات نے ان کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ (طبقات ابن سعد 19/8)

نماز جنازہ کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت ہی جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ دفن کرنے کے لیے حضرت علی، حضرت عباس اور فضل بن عباس رضی اللہ عنھم قبر میں اترے۔ (الاصابہ)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جو اولاد ہوئی۔ ان کے نام یہ ہیں:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا محسن رضی اللہ عنہ (یہ تیسرے صاحبزادے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ 15 رمضان 3 ہجری میں حضرت حسین شعبان 5 ہجری میں پیدا ہوئے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دو صاحب زادیاں حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ بعض علماء نے ایک تیسری صاحب زادی رقیہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

ان میں سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے 17 ہجری میں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ (نسب قریش صفحہ 25)

سیدہ فاطمہ کا حلیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لب ولہجہ، اٹھنا بیٹھنا بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح، آپ بات چیت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کیا کرتی تھیں۔ آپ کی چال بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی تھی۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سفر پہ گئے۔ واپس لوٹے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قربانی کا گوشت پیش کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوئی عذر بیان کیا۔ اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی ہے۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے پہلے اس گوشت کی اجازت نہیں تھی۔ بعد میں اجازت ہوگئی تھی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں۔

آپ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

”فاطمہ! میرے جسم کا ایک حصہ ہے جو اسے ناراض کرے گا، وہ مجھے ناراض کرے گا۔“

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سونے کا ہار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا:

”کیوں فاطمہ! کیا لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ کی لڑکی آگ کا زیور پہنتی ہے۔“

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فوراً اس ہار کو بیچ کر اس رقم سے ایک غلام خرید لیا۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے استقبال کی نیت سے گھر کے دروازے پر پردے لگا دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو گھر کے اندر دنیاوی ساز و سامان دیکھ کر دروازے سے ہی واپس پلٹ گئے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا حال معلوم ہوا تو پردے چاک کر دیے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حد درجے حیادار تھیں۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلوایا تو وہ شرم کی وجہ سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں۔ اپنے جنازے پر پردہ کرنے کی وصیت بھی اسی بنا پر کی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو صاف گو نہیں دیکھا، بجز ان کے والد ان سے زیادہ صاف گو تھے۔“

سیدہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تحاشہ محبت تھی۔ جب چھوٹی تھیں تو قریش

نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حالت نماز میں تھے۔ یہ گندی حرکت کرنے کے ساتھ ہی قریش ہنسنے لگے۔ ہنستے جاتے تھے اور ایک دوسرے پر گرتے جاتے تھے۔ ایسی حالت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کسی نے خبر دی۔ ان کی عمر اگرچہ اس وقت پانچ چھ سال تھی، لیکن محبت کے جوش میں دوڑتی ہوئی آئیں اور اس بوجھ کو ہٹا کر قریش کو بددعائیں دینے لگیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بے تحاشہ محبت کرتے تھے۔ سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملنے کے لیے تشریف لاتے۔ واپس آتے تو سب سے پہلے انہی سے ملتے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر کھڑے ہو جاتے۔ انہیں اپنی جگہ بٹھاتے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں کبھی ناراضی ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور دونوں میں صلح کرا دیتے اور صلح کرا کر بہت خوش ہوتے۔

اللہ تعالیٰ کی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔ آمین۔